طلوعِ اسلام

دسمبر ۱۹۵۷ء

ادارۂ طلوعِ اسلام، کراچی

قرآنی نظامِ ربوبیت کا پیامبر

ماہنامہ طلوعِ اسلام کراچی

بدلِ اشتراک
ہندستان اور پاکستان سے سالانہ، آٹھ روپے
غیر ممالک سے، ۱۴ شلنگ

قیمت فی پرچہ
ہندوستان اور پاکستان سے
بارہ آنے

ٹیلی فون: ۴۱۴۸۸
خط وکتابت کا پتہ، ناظم ادارہ طلوعِ اسلام
۳/۱۵۹۔ایل (پی۔ای۔سی ہاؤسنگ سوسائٹی) کراچی

جلد ۱۰ | دسمبر سنہ ۱۹۵۷ء | نمبر ۱۲

فہرست مضامین

لمعات	۲ ـــ ۱۱
روئداد طلوعِ اسلام کنونشن (مرتبہ، جہاں گرد)	۱۲ ـــ ۲۴
قراردادیں	۲۵ ـــ ۲۷
فہرست پیشکش برائے طباعت لغات القرآن	۲۸ ـــ ۲۹
فہرست شرکاء	۳۰ ـــ ۳۳
رابطۂ باہمی (ناظم ادارہ)	۳۳ ـــ
مجلسِ اقبال	۳۴ ـــ ۴۶
انکار اور اقرارِ حدیث (ابن مسلم۔ کراچی)	۴۷ ـــ ۵۲
قرآنی معاشرہ (محترم محمد احمد صاحب عثمانی)	۵۳ ـــ ۶۴
حقائق و عبر	۶۵ ـــ ۷۴
بابُ المراسلات	۷۵ ـــ ۷۶

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

لمعات

(لا کمیشن)

آئین پاکستان کی شق ۱۹۸ کی رُو سے صدر مملکت کے لئے ضروری تھا کہ وہ یوم آئین (۲۳ مارچ ۱۹۵۶ء) سے ایک سال کے اندر اندر ایک قانونی کمیشن مقرر کرے جس کا فریضہ یہ ہو کہ وہ ملک کے موجودہ قوانین کو کتاب و سنت کے مطابق مدون کرنے کی سفارشات کرے۔ آئین کی اس شق پر ایک سال تک کوئی عمل درآمد نہ ہوا۔ تا آنکہ ۲۲ مارچ ۱۹۵۷ء کو (جب کہ ایک سال کے ختم ہونے میں چند گھنٹے باقی تھے) اعلان ہوا کہ جسٹس محمد شریف صاحب کو قانونی کمیشن کا چیرمین مقرر کیا گیا ہے۔ اس کے بعد فضا پر پھر سکوت چھا گیا۔ حتیٰ کہ ۱۷ اگست ۱۹۵۷ء کو ایک مزید اعلامیہ شائع ہوا جس کی رُو سے کمیشن کے دس اراکین کا تقرر عمل میں لایا گیا۔ اس کے بعد پھر خاموشی طاری ہو گئی تا آنکہ اکتوبر کے دوسرے ہفتہ میں، کمیشن کے چیرمین کی طرف سے اعلان ہوا کہ ۲۶ اکتوبر کو کمیشن کی پہلی میٹنگ ہوگی۔ ملک کا وہ سنجیدہ طبقہ جسے کمیشن کی اہمیت کا اندازہ اور احساس ہے، مطمئن ہوا کہ، خیر یوم آئین سے ڈیڑھ سال بعد ہی سہی، کمیشن کے کام کی ابتدا تو ہوگی۔

۱۸ اکتوبر کو مسٹر سہروردی کی کابینہ کی جگہ، مسٹر چندریگر کی کابینہ برسرِ اقتدار آئی۔ اور ۲۳ اکتوبر کو (جبکہ ڈھاکہ کے اراکین لاہور پہنچ چکے تھے۔) چیرمین صاحب کی طرف سے یہ اعلان ہوا کہ مرکزی حکومت کے زیرِ ہدایت، کمیشن کی میٹنگ منسوخ کر دی گئی ہے۔ اس اعلان میں نہ یہ بتایا گیا کہ مجوزہ میٹنگ کو کیوں منسوخ کیا گیا ہے۔ نہ ہی یہ کہ اس کے بعد میٹنگ کب ہوگی۔ ان سطور کی تسوید کے وقت تک اس باب میں کوئی مزید اعلان نہیں ہوا حالانکہ ملک کے ہر گوشے میں اس کے متعلق طرح طرح کی چہ میگوئیاں ہو رہی ہیں جو اُس سنجیدہ طبقہ کے لئے جس کی طرف اوپر اشارہ کیا گیا ہے، اندیشہ ہائے دور و دراز کا موجب بن رہی ہیں۔

کمیشن کی آئینی حیثیت

اس ضمن میں سب سے پہلا سوال یہ سامنے آتا ہے کہ قانونی کمیشن کی آئینی حیثیت کیا ہے۔ اور حکومت کو اس کی کارروائی میں مداخلت کا حق کہاں تک حاصل ہے؟ آئین پاکستان کا جو مفہوم ہم سمجھ سکے ہیں، اُس کی رُو سے لا کمیشن ایک خود اختیار ادارہ ہے جو اپنے طریق کار، سوچ بچار، غور و فکر اور سفارشات میں بالکل آزاد ہے اور حکومت نہ اس کے کاروبار پر اثر انداز ہو سکتی ہے نہ اس میں کسی قسم کی مداخلت کر سکتی ہے۔ اس بنا پر حکومت کو اس کا قطعاً حق حاصل نہیں تھا کہ وہ چیرمین کے فیصلہ کے علی الرغم، بینکنگ کی تنسیخ کی ہدایات نافذ کرتی۔ ہمارا خیال ہے کہ چیرمین صاحب نے حکومت کی ان ہدایات کو محض احتراماً تسلیم کر لیا ہوگا ورنہ قانوناً وہ اس کے پابند نہیں تھے۔ ہمیں اندیشہ ہے کہ چیرمین صاحب کے اس احترام سے کوتاہ اندیش ارباب حکومت کے دل میں یہ خیال نہ پیدا ہو گیا ہو کہ وہ کمیشن کے معاملات میں جب جی چاہے مداخلت کر سکتے ہیں۔ اس سے کمیشن کی آزادانہ حیثیت ختم ہو جاتی ہے اور وہ مقصد فوت ہو جاتا ہے جس کے لئے آئینی طور پر اس کی تشکیل ہوئی ہے۔ کمیشن کی تعیناتی صدر مملکت کے فیصلہ کے مطابق ہوئی اور اس کی سفارشات مجلس قانون ساز کے سامنے پیش ہوں گی۔ بنا بریں حکومت کا اس سے کوئی خاص تعلق نہیں رہتا۔ اگر حکومت نے یہ سمجھ لیا کہ کمیشن اس کے ماتحت ہے تو ایسے کمیشن سے بجائے فائدہ کے نقصان ہوگا حکومت نہ صرف اس کے معمولات میں دخیل ہوتی رہے گی بلکہ اس کی سفارشات کی تعیین پر دخل انداز ہونے سے بھی گریز نہیں کرے گی۔ اس قسم کے کمیشن آزاد ہونے چاہئیں اور کاملتہً آزاد۔ نیز اس کے اراکین کی بھی یہ پوزیشن نہیں ہونی چاہیئے کہ وہ اپنے آپ کو حکومت کے رحم و کرم پر سمجھیں اور ہر وقت اس دھڑکے میں رہیں کہ

اب چھری صیاد نے لی۔ اب قفس کا در کھلا

ہر کہ آمد عمارتِ نو ساخت

دوسرا سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر ہماری مملکت کی حالت یہی رہی کہ ہر نئی حکومت، سابقہ حکومت کے فیصلوں کو آمرانہ طور پر منسوخ یا تبدیل کر دے تو ایسے حالات میں لا کمیشن جیسے اداروں کے لئے کوئی کام کرنا بھی ممکن نہیں ہوگا۔ ہم جس دورِ سیاست سے گزر رہے ہیں اس کے پیش نظر ہماری حکومتوں کا تو یہ عالم ہے کہ

سامان سو برس کے ہیں کل کی خبر نہیں

لا کمیشن کو پانچ سال میں اپنی رپورٹ پیش کرنی ہے۔ اس پانچ سال کے عرصہ میں نہ معلوم کتنی حکومتیں آئیں اور کتنی جائیں۔ اگر ان تبدیلیوں کا اثر کمیشن پر پڑنے لگا تو کمیشن، مرغِ بادنما بن کر رہ جائے گا۔ حکومت کی تبدیلی تو ایک طرف۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ایک ہی حکومت میں اگر قلمدانِ وزارت کسی دوسرے وزیر کے پاس چلا جائے تو وہ اپنی مرضی کے مطابق کمیشن میں تبدیلیاں کرنے بیٹھ جائے (جیسا آج کل منسٹریوں میں ہوتا ہے)۔ ایسے حالات میں کمیشن خاک کام کرے گا!

تحفظ کی ضمانت

اندریں حالات، ہم قانونی کمیشن کے چیرمین جسٹس محمد شریف صاحب سے درخواست کریں گے کہ وہ کمیشن کی آزادانہ پوزیشن کو ارباب حکومت پر اچھی طرح واضح کر دیں اور ان سے اس امر کی پوری

پوری ضمانت دے لیں کہ کمیشن اور اس کے اراکین حکومت کی دست اندازیوں سے قاطبۃً محفوظ رہیں گے اور حکومت کی طرف سے اس قسم کا کوئی اقدام نہیں ہوگا جس سے کمیشن کی آزادیٔ عمل و حریتِ فکر پر کسی قسم کا اثر پڑے۔ اس وقت تو یہی نظر آتا ہے کہ حکومت کو نہ کمیشن کی آزادانہ پوزیشن کا اندازہ ہے نہ اس کام کی اہمیت کا کوئی احساس جو کمیشن کو تفویض کیا گیا ہے۔ اگر اسے اول الذکر کا اندازہ ہوتا تو وہ چیرمین کے فیصلہ میں کبھی اس طرح مداخلت نہ کرتی۔ اور اگر ثانی الذکر کا احساس ہوتا تو وہ کمیشن کے کام کے راستے میں یوں حائل نہ ہوتی۔ غور فرمائیے کہ آئین کے مطابق کمیشن کو پانچ سال میں اپنی رپورٹ پیش کرنی ہے اور مارچ ۱۹۵۶ء سے لیکر اس وقت تک اس کی ایک میٹنگ بھی نہیں ہونے پائی۔ اس سے ایک غیر جانبدار مبصر اس کے سوا اور کس نتیجہ پر پہنچے گا کہ حکومت چاہتی ہی نہیں کہ ملک میں اسلامی قوانین کا نفاذ ہو۔

حکومت کی طرف سے تو اس باب میں کوئی اعلان نہیں ہوا کہ کمیشن کی میٹنگ کو کیوں منسوخ کیا گیا ہے۔ لیکن تنسیخ کے اعلان کے

مُلّا کا پراپیگنڈا

ساتھ ہی ملک کے قدامت پرست مذہبی طبقہ کی طرف سے یہ آوازیں بلند ہونی شروع ہو گئیں کہ چونکہ کمیشن میں ایسے لوگوں کو شامل کر لیا گیا تھا جو منکرِ قرآن اور منکرِ حدیث ہیں اس لئے نئی حکومت نے اس کی میٹنگ کو روک دیا ہے تاکہ ایسے عناصر کو کمیشن سے نکال کر ان کی جگہ مولوی صاحبان کو رکن مقرر کیا جائے۔ اس ضمن میں پہلے محترم بروہی صاحب، اے۔ اے قاضی صاحب، امین احسن اصلاحی صاحب اور پرویز صاحب کا نام لیا گیا۔ پھر بات قاضی صاحب اور پرویز صاحب تک سمٹ آئی۔ اور آخر الامر اسے پرویز صاحب پر مرکوز کر دیا گیا۔ حتیٰ کہ (جماعتِ اسلامی کے نقیب تسنیم نے) یہاں تک بھی کہہ دیا کہ حکومت نے فیصلہ کر لیا ہے کہ پرویز صاحب کو کمیشن سے خارج کر کے ان کی جگہ مفتی محمد شفیع صاحب کو ممبر مقرر کیا جائے۔

چونکہ حکومت کی طرف سے (میٹنگ منسوخ کرانے کے) اقدام کی کوئی معقول وجہ سمجھ میں نہیں آتی اس لئے ہو سکتا ہے کہ اس کی وجہ یہی ہو جسے اس طبقہ کی طرف سے پیش کیا جا رہا ہے۔ اگر وجہ یہی ہے تو اس پر جس قدر بھی اظہارِ تاسف کیا جائے کم ہے۔ ہم یہ اس لئے نہیں کہتے کہ اس قصہ میں پرویز صاحب کا نام بھی شامل ہے۔ ہم محض اصولی بحث کر رہے ہیں۔ سب سے پہلے یہ دیکھئے کہ حکومت نے جو انداز اختیار کیا ہے اس سے کس قدر طفلانہ پن ٹپک رہا ہے۔ موجودہ مرکزی حکومت ۱۸ اکتوبر کو برسرِ اقتدار آئی۔ ۲۳ اکتوبر کو اس نے ہدایات نافذ کر دیں کہ ۲۶ کو ہونے والی میٹنگ منسوخ کر دی جائے۔ میٹنگ منسوخ کرائی گئی اور اس کے فوری بعد چیرمین صاحب کو کراچی بلا لیا گیا۔

یہ افراتفری؟

سوال یہ ہے کہ یہ کونسا اہم معاملہ تھا جس کے لئے اس قدر افراتفری اور ہنگامہ آرائی کی ضرورت لاحق ہو گئی۔ اگر کمیشن کی میٹنگ پروگرام کے مطابق ۲۶ اکتوبر کو منعقد ہو جاتی تو اس سے کونسی قیامت برپا ہو جاتی؟ وہ کونسے راز تھے جن کے متعلق حکومت کو ڈر تھا کہ وہ اس مجوزہ میٹنگ میں افشا نہ ہو جائیں اور اس لئے حکومت کے پاس اس کے سوا کوئی چارہ نہ تھا کہ میٹنگ کو یوں بے ڈھنگے پن سے (Abruptly) منسوخ کر دیا جائے اور مملکت کو خطرہ سے بچا لیا جائے!

حقیقت یہ ہے کہ اس قسم کے اقدامات سے اربابِ اقتدار کے تدبر، ثقاہت، حوصلہ مندی، سلیقہ شعاری اور ظرف کا اندازہ ہو جاتا ہے۔

جو ارباب ہم اس قسم کے معمولی واقعات سے اس طرح نعل در آتش ہو جائیں، اگر ان کے سامنے (خدا نکردہ) کوئی فی الواقعہ خطرہ کا مقام آجائے تو نہ معلوم ان کی کیا حالت ہو جائے!

یہ تو رہا طریق کار۔ اب آئیے اصول کی طرف۔ اس سلسلہ میں جو کچھ ہوا ہوگا وہ زیادہ سے زیادہ یہی ہو سکتا ہے کہ اُن مولویوں نے جنہیں کمیٹی میں شامل نہیں کیا گیا، ارباب حکومت سے کہا ہوگا کہ کمیٹی میں ایسے لوگ شامل کر دیئے گئے ہیں جن کے عقائد درست نہیں۔ انھیں کمیٹی سے نکالا جائے اور ان کی جگہ ہمیں لیا جائے جو حاملان شرع متین اور علمبرداران دین مبین ہیں۔ اس ضمن میں حسب ذیل سوالات پیدا ہوتے ہیں:-

اُصولی سوالات

(۱) کیا حکومت نے یہ فیصلہ کرنے سے پہلے کہ میٹنگ کو منسوخ کر دیا جائے) اس امر کا اطمینان کر لیا تھا کہ متعلقہ حضرات کے خلاف جو الزامات عائد کئے گئے ہیں، وہ فی الواقعہ درست ہیں؟

(۲) کیا حکومت نے ان حضرات سے، جن کے خلاف یہ الزامات عائد کئے گئے تھے، دریافت کر لیا تھا کہ ان الزامات کے بارے میں وہ کیا کہتے ہیں۔

(۳) کیا حکومت نے اصولاً طے کر رکھا ہے کہ لوگوں کے عقائد کی چھان بین کی جایا کرے اور جن کے عقائد اس قسم کے ہوں انھیں فلاں فلاں اداروں یا اسامیوں کے لئے ناقابل قبول (DisQualified) سمجھا جائے؟

(۴) کمیٹی کے جن ارکین کے خلاف یہ الزامات عائد کئے گئے ہیں، کیا اُن کے اُس وقت بھی یہی عقائد تھے جب انھیں کمیٹی کا ممبر مقرر کیا گیا تھا یا اُن کے عقائد میں بعد میں تبدیلی آ گئی تھی؟ اگر اُس وقت بھی اُن کے یہی عقائد تھے تو اُن عقائد کی بنا پر اب اس قسم کی کارروائی کی کیا ضرورت لاحق ہو گئی؟

یہ سوالات اس لئے ضروری ہیں کہ جو لوگ کسی نہ کسی شکل میں حکومت سے متعلق ہیں ان کا ان کے مستقبل پر بڑا گہرا اثر پڑتا ہے۔

اب آئیے اس الزام کی طرف کہ فلاں شخص منکرِ حدیث یا منکرِ سنت ہے۔

آپ کو یاد ہوگا کہ جب فسادات پنجاب کی تحقیقاتی عدالت میں (جسے منیر کمیٹی کہتے تھے) حضرات علمائے کرام سے یہ پوچھا گیا کہ "مسلمان کسے کہتے ہیں؟" تو اکثر حضرات نے یہ کہہ کر پیچھا چھڑایا تھا کہ اس اہم سوال کا جواب فی البدیہہ نہیں دیا جا سکتا۔ اور جنہوں نے جواب دیا تھا، ان میں سے کسی ایک کا جواب دوسرے سے نہیں ملتا تھا۔

منکرِ سنت کون ہے؟

بعینہٖ یہی کیفیت منکرِ حدیث یا منکرِ سُنت کی ہے۔ ہم حکومت کو چیلنج دیتے ہیں کہ وہ منکرِ حدیث یا منکرِ سُنت کی کوئی ایسی تعریف (Definition) بتائے جس پر تمام علمائے کرام متفق ہوں۔ اور اس کے ساتھ ہی ہم یہ پیش گوئی بھی کئے دیتے ہیں کہ وہ جتنی جی چاہے کوشش کر کے دیکھ لے، وہ کوئی متفق علیہ تعریف پیش نہیں کر سکے گی۔ بہتر ہو کہ حکومت اس سوال کو کسی عدالت کے سپرد کر دے جو (منیر کمیٹی کی طرح) تحقیقات کے بعد اپنے فیصلہ کا

اعلان کرے۔ آپ دیکھئے گا کہ یہ فیصلہ اس کے سوا کچھ نہیں ہوگا کہ یہ علماء حضرات آپس میں ہی متفق نہیں کہ منکرِ سنت کسے کہتے ہیں۔ قارئین کو یاد ہوگا کہ ہم برسوں سے ان علماء حضرات سے دریافت کر رہے ہیں کہ "سنت" کسے کہتے ہیں۔ ... ... وہ کس کتاب میں ملے گی۔ لیکن اس کا متفق علیہ جواب آج تک کہیں سے نہیں ملا۔ ان کے ہاں تو یہ بھی طے نہیں کہ حدیث اور سنت ایک ہی چیز ہے یا دو الگ الگ چیزیں ہیں۔

حدیث کی بحث کوئی نئی بحث نہیں۔ امام شافعیؒ (اپنی تصنیف کتاب الام میں) "منکرین حدیث" کے ساتھ اپنا مناظرہ نقل کرتے ہیں۔ اربابِ تحقیق کا خیال ہے کہ اس سے ان کی مراد، امام ابو حنیفہؒ کی جماعت ہے۔ خطیب بغدادی اپنی تاریخ میں لکھتا ہے کہ

> امام مالک بن انسؒ کہتے ہیں کہ ابو حنیفہؒ کا فتنہ اس امت کے لئے (معاذ اللہ) ابلیس کے فتنے سے کم نہیں۔ عقیدۂ ارجاء میں بھی اور احادیث کے رد کرنے میں بھی۔

سُنی حضرات کی صحاحِ ستہ الگ ہیں اور شیعہ حضرات کی صحاح اربعہ الگ۔ ایک دوسرے کی احادیث کے متعلق ان کے مسلک کا اندازہ اس سے لگائیے کہ جس حدیث میں کوئی ایک راوی بھی شیعہ ہو، امام بخاریؒ کے نزدیک وہ حدیث قابلِ قبول نہیں ہو سکتی۔ دُور کی بات چھوڑئیے اسی سال جمعیتِ اہلِ حدیث۔ گوجرانوالہ کی طرف سے، جماعتِ اسلامی کے نظریۂ حدیث کے عنوان سے جو کتاب شائع ہوئی ہے، اُس میں اُنھوں نے منکرینِ حدیث کی ایک فہرست دی ہے۔ اس فہرست میں شیعہ، معتزلہ، خوارج۔ سرسید کا مکتبِ فکر۔ جماعتِ اسلامی۔ شمس العلماء شبلی نعمانی۔ مولانا حمید الدین فراہی۔ تمام ندوی (بجز سید سلیمان ندوی) سب شامل ہیں۔ لیکن جنھیں جمعیت اہلِ حدیث منکرین حدیث قرار دیتی ہے ان میں سے کوئی بھی اپنے آپ کو منکرِ حدیث نہیں کہتا۔ مودودی صاحب کے متعلق مولانا ظفر احمد عثمانیؒ کا فتویٰ موجود ہے کہ وہ منکرِ حدیث ہیں، امین احسن اصلاحی صاحب کے متعلق، جمعیۃ العلمائے پاکستان (لاہور) کے صدر، مولانا احمد علی صاحب کا فتویٰ اخبارات میں شائع ہو چکا ہے کہ وہ منکرِ حدیث ہیں۔ اور تماشا یہ ہے کہ یہ حضرات (یعنی جماعتِ اسلامی کے افراد) اس مطالبہ میں پیش پیش ہیں کہ پرویز صاحب منکرِ حدیث ہیں اس لئے انھیں لا کمیشن سے خارج کر دیا جائے۔ سوال یہ ہے کہ اگر مولویوں کے فتوے سے کوئی شخص فی الواقعہ منکرِ حدیث قرار پا جاتا ہے تو پھر مذکورہ صدر تمام حضرات منکرِ حدیث ہیں۔ اور اگر ان کے فتاویٰ کے باوجود یہ حضرات منکرِ حدیث نہیں قرار پا سکتے تو پھر پرویز صاحب کو کس طرح منکرِ حدیث کہا جا سکتا ہے، بالخصوص جب، ان الزام لگانے والوں میں سے بعض کا حدیث کے متعلق بعینہٖ وہی مسلک ہے جو پرویز صاحب کا ہے۔ اور اس کا اُنھیں اچھی طرح علم ہے۔ یہ عجیب ستم ظریفی ہے کہ جب ان حضرات کے متعلق فتوے صادر ہوں کہ یہ منکرِ حدیث ہیں تو ہنس کر کہہ دیں کہ ان فتاویٰ کی حیثیت ہی کیا ہے اور جب وہی فتویٰ پرویز صاحب کے خلاف صادر ہو تو اسے خدا اور رسول کا فرمان قرار دیا جائے!

ہم حکومت سے پوچھتے ہیں کہ کیا اس نے اس صورتِ حال پر بھی غور کیا ہے۔

مُلّا کی طرف سے مخالفت کا سبب

حقیقت یہ ہے کہ یہ سوال۔ اقرار اور انکارِ حدیث کا ہے ہی نہیں۔ مُلّا کی طرف سے پرویز صاحب کی مخالفت کا اصل سبب کچھ اور ہے۔ اور اسے سمجھنے کے لئے ذرا پیچھے جانا پڑے گا۔

جب قائدِ اعظم مرحوم تحریکِ پاکستان کو لے کر اٹھے تو ان کے مدمقابل تین قوتیں تھیں۔ انگریز۔ ہندو۔ اور نیشنلسٹ مسلمان جن کی قیادت مولوی صاحبان کر رہے تھے۔ قائدِ اعظم، انگریز اور ہندو کا مقابلہ نہایت عمدگی اور آسانی سے کر سکتے تھے لیکن ارباب تقدس کا یہ طائفہ، جو قال اللہ اور قال الرسول کی سپر میں آمادۂ مخالفت تھا، اس کی روک تھام اُن کے بس کی بات نہ تھی۔ علامہ اقبال کے ایماء سے یہ محاذ پرویز صاحب کے سپرد ہوا۔ ان کے مدمقابل، (مولانا) ابوالکلام آزاد اور ان کا پورا حلقۂ عقیدت۔ (مولانا) حسین احمد مدنی اور ان کے ساتھ (باستثنائے چند) دیوبندی مکتبِ فکر۔ جمعیت العلماء ہند۔ مجلس احرار۔ سرخپوش مولویوں کا گروہ۔ جماعتِ اسلامی۔ وغیرہ تمام مخالفینِ پاکستان تھے۔ پرویز صاحب نے اس پورے محاذ کو کس ہمت سے سنبھالا اور اس چومکھی لڑائی کو کس حوصلہ مندی اور تدبر سے لڑا، اس کی شہادت طلوعِ اسلام کے فائل دیں گے۔ بتوفیقِ ایزدی، ان تمام گروہوں کو شکست ہوئی اور پاکستان وجود میں آ گیا۔ مُلّا کے متحدہ محاذ کے لئے یہ شکست اتنی شدید تھی جس کا زخم آسانی سے مندمل نہیں ہو سکتا تھا۔

پاکستان بنا اور دیکھنے والوں کی حیرت کی انتہا نہ رہی کہ انہی مخالفین کا انبوہِ کثیر یہاں آ موجود ہوا۔ اور جب پاکستان کے دستور کی تدوین کا مسئلہ سامنے آیا تو انھوں نے شور مچانا شروع کر دیا کہ "ہم نے "پاکستان اس لئے حاصل کیا ہے کہ یہاں اسلامی حکومت کا قیام ہو۔ اسلامی حکومت کے معنی قانونِ شریعت کے نفاذ کے ہیں اور قانونِ شریعت کا ترجمان "علمائے کرام" کے سوا اور کوئی نہیں ہو سکتا۔ اس لئے مملکتِ پاکستان میں قانون کی تدوین و تنفیذ کا کام علماء کے سپرد ہونا چاہیئے۔ بالفاظِ دیگر، مملکت کے جملہ اختیارات و اقتدارات مُلّا کے ہاتھ میں دیئے جائیں جو "خدا اور رسول" کے نام کے نقاب میں من مانی کرے۔

یہ ایک ایسی خطرناک تحریک تھی جس کے انسانیت سوز اور حُریت کُش نتائج کا اندازہ وہی حضرات لگا سکتے ہیں جن کی نگاہیں

خطرناک تحریک

تاریخ کے اوراق پر ہیں، حقیقت یہ ہے کہ انسانیت کی پوری تاریخ میں، اُن ادوار سے بدتر دور کوئی نہیں جن میں اقتدار کی مسندیں مذہب پرست گروہ کے تسلط میں رہیں۔ مصر ہو یا چین۔ روم ہو یا ہند۔ شام ہو یا عراق۔ جب اور جہاں، زمامِ اقتدار، پادری۔ پنڈت۔ یا مُلّا کے ہاتھ میں آئی، انسانیت بُری طرح تباہ اور برباد ہوئی۔ دنیا میں جس قدر مظالم "خدا کے نام" پر ڈھائے گئے ہیں، بلیں کے حصے میں اس کا عشرِ عشیر بھی نہیں آیا ہوگا۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن نے ملوکیت اور سرمایہ داری کے ساتھ مذہبی پیشوائیت کو بھی شرفِ انسانیت کا بدترین دشمن قرار دیا ہے اور جس نظام کی تشکیل محمد رسول اللہ والذین معہٗ کے مقدس ہاتھوں سے ہوئی تھی، اس میں مذہبی پیشواؤں کا نشان تک دکھائی نہیں دیتا (حتیٰ کہ "مولوی" اور "مولانا" کی اصطلاحیں بھی دورِ ملوکیت کی ایجاد ہیں۔) اس پس منظر میں آپ سوچئے کہ دستورِ پاکستان کے سلسلہ میں مُلّا جس مطالبہ کو لے کر

آگے بڑھ جاتا تھا، وہ کس قدر خطرناک تھا۔ ہمارے سادہ لوح عوام، اس چال کو سمجھ ہی نہیں سکتے تھے۔ باقی رہے خواص، سو وہ مُلّا سے سودا بازیوں میں مصروف تھے۔ یہ صرف طلوع اسلام تھا جو مُلّا کی اس گہری سازش کو بے نقاب کر کے بتا رہا تھا کہ ایک اسلامی مملکت میں قانون سازی کے اصول کیا ہیں۔ دوسری طرف مُلّا اپنے پروپیگنڈا کے زور پر حکومت کو مرعوب (کرنے میں مصروف تھا۔ حقیقت

پراپیگنڈہ کی مشینری

یہ ہے کہ مُلّا کے پاس پراپیگنڈا کی ایسی مشینری موجود ہے جو گوئبلز تک کو بھی میسر نہ تھی۔ ہر قریہ، ہر بستی، ہر گلی، ہر محلہ میں مسجد (جسے خدا اور رسول نے ایک عظیم مقصد کے لئے تجویز کیا تھا) اس کے پراپیگنڈے کا مرکز ہے۔ جس میں ہر روز پانچ مرتبہ، بن بلائے لوگ اکٹھے ہوتے ہیں۔ پھر آٹھویں دن اسی مرکز میں ایک ایسا اجتماع ہوتا ہے جس میں دُور دُور سے آکر لوگ شریک ہوتے ہیں۔ مینہ، آندھی، دھوپ، جگہ کی قلت اس اجتماع پر قطعاً اثر انداز نہیں ہوتی۔ اس اجتماع میں مُلّا تال اللہ تعالیٰ کی رسمی تمہید سے بات شروع کر کے گھنٹہ دو گھنٹہ تک جس کے خلاف جو جی میں آئے کہے چلا جاتا ہے اور سامعین خاموشی سے سنتے رہتے ہیں کیونکہ شریعت کا حکم ہے کہ جب خطبہ ہو رہا ہو تو کوئی شخص بول نہیں سکتا اور جب خطبہ ختم ہوتا ہے تو نماز شروع کر دی جاتی ہے۔ لہٰذا مُلّا کی کسی بات کی تردید یا جواب کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ ایسے یک طرفہ پراپیگنڈہ کے زور پر مُلّا حکومت کو مرعوب کرتا ہے ایسے ہی پراپیگنڈہ کے زیر اثر خواجہ ناظم الدین صاحب کی حکومت میں مجلس دستور سازی کی بنیادی اصولوں کی کمیٹی نے وہ سفارشات پیش کی تھیں جن کی رُو سے، ملک میں قانون سازی کا آخری اختیار مُلّا کے ہاتھ میں دیا جا رہا تھا۔ (قارئین کو یاد ہو گا کہ اس کمیٹی کے صدر، سردار عبد الرب نشتر تھے جو اس زمانے میں مُلّا وزیر کے نام سے مشہور تھے۔) یہ تھے وہ حالات جن میں طلوع اسلام مُلّا کی اس سازش کی مخالفت کر رہا تھا۔ مُلّا بازی لے ہی گیا تھا کہ مجلس آئین ساز ٹوٹی اور اس کے ساتھ ہی بنیادی اصولوں کی کمیٹی کی سفارشات بھی غتربود ہو گئیں۔

مُلّا کے لئے یہ شکست ناقابل برداشت تھی۔ (بات تھی بھی قابل فہم۔ جس کے ہاتھ سے اتنی بڑی مملکت نکل جائے،

جذبۂ انتقام

اُس کے صدمہ اور جذبۂ انتقام کا کیا ٹھکانا ہو سکتا ہے؟)۔ اب اس نے تہیہ کر لیا کہ اپنی پوری قوتوں کا رُخ پرویز صاحب کی طرف موڑ دیا جائے۔ وہ دن اور آج کا دن۔ پرویز صاحب کی مخالفت کے سوا، مُلّا کے پیش نظر زندگی کا کوئی مقصد ہی نہیں۔ اس مخالفت کے لئے، سب سے آسان اور مؤثر ترین حربہ یہی ہو سکتا تھا کہ عوام میں یہ مشہور کر دیا جائے کہ یہ شخص منکرِ شانِ رسالت اور منکرِ سنت رسول اللہ ہے۔ پرویز صاحب کے خلاف یہ اتنا بڑا اتہام ہے جس کا کبھی تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ جو شخص رسولِ اکرمؐ کے اسوۂ حسنہ کو تمام نوع انسانی کے لئے نجات و سعادت کا واحد ذریعہ قرار دیتا ہو۔ جس نے اپنی زندگی کا مقصد اس نظام کا احیاء قرار دے رکھا ہو جسے رسول اللہؐ نے متشکل فرمایا تھا۔ جو اسلام کی عملی تعبیر، خلافت علیٰ منہاج رسالت کے علاوہ کسی اور نقشہ میں نہ دیکھتا ہو۔ اس کے متعلق یہ کہنا کہ وہ منکرِ شانِ رسالت ہے انتہائی بددیانتی نہیں تو اور کیا ہے؟ یہ بھی نہیں کہ یہ مخالفین پرویز صاحب کے اس مسلک اور عقیدہ سے ناواقف ہوں۔ ان میں سے ایک ایک کے پاس طلوع اسلام کا لٹریچر بھیجا گیا اور ان سے درخواست کی گئی کہ وہ اپنے سامعین یا قارئین کے سامنے پرویز صاحب کا صحیح مسلک پیش کرتے اور یہ

جو جی میں آئے تنقید کریں۔ لیکن ان میں سے آج تک کسی نے ایسا نہیں کیا۔ اور الزامات اور اتہامات ہیں کہ اُن کی کارگہ فکر سے برابر ڈھلتے چلے آرہے ہیں۔ یہ اس لئے کہ اُن کے نزدیک پرویز صاحب کی مخالفت عین جہاد ہے۔ اور (اسلام کے نہیں بلکہ) مُلّا کے جہاد میں جھوٹ اور فریب کے ہر حربہ کا استعمال عین ثواب ہے۔

سابقہ مجلس آئین ساز کے ٹوٹنے کے بعد جب دوبارہ تدوین آئین کا مرحلہ سامنے آیا تو اس وقت چوہدری محمد علی صاحب کی وزارت تھی جن کے متعلق سید ابوالاعلیٰ صاحب مودودی نے لکھا تھا کہ اُن کے چوہدری صاحب کے ساتھ گذشتہ چودہ برس سے برادرانہ تعلقات ہیں۔ اس آئین میں، لا کمیشن کی شق ایسی رکھی گئی تھی جس میں مُلّا کو اپنی ہوسِ اقتدار کی تسکین کا سامان نظر آتا تھا۔ لیکن جب اس کمیشن کی تشکیل ہوئی تو اس میں پرویز صاحب کو شامل کر لیا گیا۔ اس سے آپ مُلّا کی قلبی کیفیت کا اندازہ لگا سکتے ہیں۔ بالخصوص اس لئے کہ انھیں معلوم ہے کہ ان کی موجودگی میں وہ خود ساختہ مسائل کو خدا اور رسول کے احکام کہہ کر پیش نہیں کر سکیں گے۔

مسلم لیگ وزارت

اتفاق سے اسی دوران میں مسلم لیگ کی وزارت قائم ہو گئی۔ اُس مسلم لیگ کی وزارت جس کے صدر وہی سردار عبدالرب صاحب نشتر ہیں، جن کی نہ صرف بنیادی اصولوں کی کمیٹی کی سفارشات ہی بالائے طاق رکھ دی گئی تھیں بلکہ انھیں شریکِ وزارت بھی نہیں کیا گیا تھا۔ اُن کے دل میں یہ صدمہ تھا اور مُلّا کے سینہ میں وہ زخم! نتیجہ یہ کہ بارگاہِ حکومت سے پہلا حکم یہ صادر ہوا کہ لا کمیشن کی میٹنگ منسوخ کر دی جائے۔ اس ایک حکم سے مُلّا نے سارے ملک میں ڈھول پیٹ دیا کہ دیکھئے! محافظانِ شریعتِ حقہ کی حکومت ایسی ہوتی ہے۔ مسلم لیگ کو اپنی وزارت کے استحکام اور آئندہ الیکشن میں کامیابی کے لئے ہر قسم کی مدد کی احتیاج ہے اس کے لئے اس قسم کے تنکوں کا سہارا بھی عروۃ الوثقیٰ سے کم نہیں۔

ان تصریحات سے یہ حقیقت آپ کے سامنے آگئی ہوگی کہ یہ جنگ درحقیقت اقرار و انکارِ احادیث کی جنگ نہیں۔ یہ اسلام کے

دو نظریوں کی جنگ

متعلق دو نظریوں کی جنگ ہے جو ایک دوسرے سے یکسر متبائن اور متخالف ہیں۔ مُلّا کا نظریہ یہ ہے کہ اسلام ایک جامد (STATIC) اور متصلب (Rigid) مذہب ہے جس میں ارتقاء (Evolution) کی قطعاً گنجائش نہیں۔ جو کچھ اس وقت شریعت کے نام سے رائج ہے اور جس کا علمبردار خود مُلّا کا طبقہ ہے، اس میں کسی قسم کی تبدیلی کی اجازت نہیں دی جا سکتی۔ اس مملکت میں بسنے والوں کی تقدیریں، اربابِ شریعت کے ہاتھ میں ہوں گی۔ وہ لوگوں کے اعتقادات کا محاسبہ کرکے اس امر کا فیصلہ کریں گے کہ کون صحیح العقیدہ مسلمان ہے اور کون ملحد۔ بے دین اور مرتد۔ اور چونکہ (مُلّا کی شریعت میں) مرتد کی سزا قتل ہے، اس لئے (جیسا کہ اُس زمانے میں ہوتا تھا جب مُلّا کے ہاتھ میں اقتدار تھا) لوگوں کی زندگی اور موت کا فیصلہ بھی مُلّا کے ہاتھ میں ہوگا۔

دوسرا نظریہ یہ ہے کہ اسلام ایک ارتقا پذیر (Progressive) اور متحرک (Dynamic) ضابطۂ حیات ہے جو نہ صرف زمانے کی بڑھتی ہوئی ضروریات ہی کا ساتھ دیتا ہے بلکہ دنیائے فکر و عمل میں اقوامِ عالم کی امامت کی صلاحیت بھی اپنے اندر رکھتا ہے۔ اس کے اصول غیر متبدل ہیں لیکن اُن کی چار دیواری کے اندر رہتے ہوئے معاشرہ کو فکر و عمل کی پوری

پوری آزادی ہوتی ہے۔ اس نظام میں نہ آمرانہ ملوکیت کی گنجائش ہوتی ہے نہ مفاد پرستانہ سرمایہ داری کی۔ نہ اس میں مذہبی پیشوائیت بار پاسکتی ہے نہ پیشہ ورانہ لیڈری۔ ہر فرد انسانی کی ذات (Personality) کی نشوونما، مملکت کا فریضہ اور وحی کی راہ نمائی میں حریت فکر و نظر اس کا مقصود و منتہیٰ ہوتا ہے۔ یہ وہ نظریہ ہے جس کے داعی پرویز صاحب ہیں۔

لہٰذا مُلّائی مخالفت درحقیقت ان نظریوں کی جنگ ہے۔ اور یہ جنگ ایسی ہے جس پر مملکت پاکستان اور اس میں بسنے والی ملت کے مستقبل کا دار و مدار ہے۔ اگر اس جنگ میں مُلّا کامیاب ہوگیا تو ہم اُس دور میں پہنچ جائیں گے جسے تاریخ ازمنۂ مظلمہ (Dark Ages) سے تعبیر کرتی ہے۔ اور سبعیت و بربریت۔ جہالت۔ توہم پرستی۔ خوف اور غلامی جس کا خاصہ ہے۔ چونکہ ارباب اقتدار کو سستی شہرت (Cheap popularity) اور امدادی سہاروں کی ضرورت ہے اس لئے (ہمیں بیحد افسوس ہے کہ) وہ اس خطرہ کا قطعاً احساس نہیں کر رہے جو مُلّا کے تو صلے بڑھا دینے میں مضمر ہے۔ حالانکہ یہ حقیقت ایک اندھے

خطرناک اقدام

کو بھی نظر آسکتی ہے کہ اگر اس طاقت آزمائی کی جنگ میں، حکومت کسی ایک نقطہ پر بھی جُھک گئی تو پھر مُلّا کے مطالبات کا سلسلہ لامتناہی ہوجائے گا۔ پھر نہ معلوم کس کس کے عقائد زیر بحث آئیں گے۔ اور حکومت کے کون کون سے شعبوں اور گوشوں پر ان کے فتاویٰ کی تلوار لٹکے گی۔ ہم حکومت سے بہ ادب درخواست کریں گے کہ وہ خدا کے لئے ملک کو اس جہنم میں جھونکنے کی تدبیر نہ کرے۔ جہاں تک لاکمیشن کی رکنیت کا تعلق ہے، پرویز صاحب کو ذاتی طور پر نہ کبھی اس کی خواہش ہوئی نہ آج ہی اس کی پرواہ ہے۔ انہوں نے اس کے لئے نہ کوئی درخواست دی۔ نہ کسی سے التماس کیا۔ حکومت نے از خود ان کا نام تجویز کیا اور سب کچھ ہو چکنے کے بعد لاکمیشن کے چیرمین نے ان سے کہا کہ وہ اس رکنیت کو ضرور قبول کرلیں کیونکہ اس سے ملت اور مملکت کو بڑا فائدہ پہنچے گا۔ انہوں نے محض اس خیال سے اس عظیم ذمہ داری کو اُٹھانے کیلئے ہاں کر دی کہ اس سے وہ پاکستان کو اسلامی مملکت بنانے کے سلسلہ میں کچھ خدمت کرسکیں گے۔ اگر کوئی پارٹی ان کی خدمات سے فائدہ اُٹھانے کے مقابلہ میں، مُلّا کی خوشنودی کو اپنے لئے زیادہ مفید مطلب سمجھتی ہے، تو اس سے پرویز صاحب کا کوئی نقصان نہیں ہوگا۔ اس سے نقصان ہوگا مملکتِ پاکستان کا۔ اس میں بسنے والی ملت کا۔ اور آنے والی نسلوں کا۔ لیکن ایسی صورت میں دیانت کی راہ یہ ہے کہ وہ پارٹی اس کا صاف صاف اعلان کرے کہ اُسے اپنے مزعومہ مفاد کی خاطر مُلّاؤں کی خوشنودی مقصود ہے خواہ اس سے ملک کا حشر کچھ ہی کیوں نہ ہو۔ اسے انکار و اقرارِ حدیث کی نزاع کے پردوں میں کیوں چھپایا جائے۔ اور اگر آپ، اس نزاع کو ایسی ہی اہمیت دیتے ہیں تو پھر ذرا اسے بھی سوچ لیجئے کہ اس باب میں جو عقیدہ مُلّا کا ہے، آپ کا

حدیث کے متعلق عقیدہ

عقیدہ وہی ہے یا اس سے مختلف ہے؟ جیسا کہ آپ اسی اشاعت میں (چند صفحات آگے چل کر دیکھیں گے)۔ حدیث کے متعلق ان لوگوں کا عقیدہ یہ ہے کہ

(۱) قرآن اور حدیث دونوں خدا کا کلام ہیں۔

(۲) خدا کے کلام میں تضاد اور تخالف بھی ہو سکتا ہے۔ اس لئے ہو سکتا ہے کہ احادیث، قرآن کے مخالف ہوں۔

(۳) اگر کوئی حدیث قرآن کے مخالف ہو، تو اس صورت میں عمل حدیث کے مطابق ہوگا۔ نہ کہ قرآن پر۔

(۴) حدیث، قرآن کو منسوخ کر سکتی ہے اور مروجہ شریعت میں ایسے قانون موجود ہیں جن میں حدیث نے قرآن کو منسوخ کر رکھا ہے۔

(۵) احادیث اگر خلافِ قرآن - خلافِ عقل - خلافِ ادب وحیا اور خلافِ شانِ انبیاء ہوں، تو بھی انھیں صحیح مانا جائے گا۔

(۶) قرآن میں بھی ایسی باتیں ہیں جو خلافِ عقل - خلافِ ادب وحیا اور خلافِ شانِ انبیاء ہیں۔ (معاذ اللہ)

اس کے برعکس پرویز صاحب کا عقیدہ یہ ہے کہ

(ا) وحیِ خداوندی قرآن کے اندر ہے جو علم و بصیرت اور دلائل و براہین کے بلند ترین مقام پر ہے۔ اس میں قطعاً کسی قسم کا اختلاف نہیں۔ کلام خداوندی میں اختلاف ہو نہیں سکتا۔

(ب) احادیث ان اقوال و افعال کا ریکارڈ ہیں جنھیں رسول اللہ کی طرف منسوب کیا جاتا ہے اور جنھیں رسول اللہ کی وفات کے ایک عرصہ بعد، مختلف ائمہ حدیث نے جمع کیا۔

(ج) احادیث کے مجموعوں میں صحیح بھی ہیں اور غلط بھی - صحیح اور غلط کا معیار قرآن کریم ہے - ان میں جو باتیں قرآن کے خلاف ہیں وہ رسول اللہ کی احادیث نہیں ہو سکتیں کیونکہ رسول اللہؐ کوئی بات قرآن کے خلاف کر نہیں سکتے تھے۔

(د) اگر حدیث اور قرآن میں اختلاف ہو، تو عمل قرآن کے مطابق ہوگا اور حدیث کے متعلق کہہ دیا جائے گا کہ وہ رسول اللہ کی نہیں ہے۔

(ہ) حدیث، قرآن کو منسوخ نہیں کر سکتی - قرآن کو کوئی چیز بھی منسوخ نہیں کر سکتی۔

ہم ارباب حکومت میں سے، ان حضرات سے جو مُلّا کے پراپیگنڈہ سے متاثر ہیں دریافت کرنا چاہتے ہیں کہ کیا ان کا عقیدہ وہ ہے جسے مُلّا پیش کرتا ہے یا وہ پرویز صاحب سے متفق ہیں؟ اگر وہ مُلّا سے متفق نہیں تو پھر جس طرح مُلّا کے نزدیک، پرویز صاحب منکر حدیث ہیں، اسی طرح وہ بھی منکر حدیث قرار پاتے ہیں - اور جس طرح مُلّا کے خیال کے مطابق، پرویز صاحب (اس "انکار حدیث" کی بنا پر) لاکمیشن کے ممبر نہیں رہ سکتے۔ اسی طرح یہ حضرات بھی حکومت کے وزراء نہیں رہ سکتے۔ تلمدانِ وزارت، بہرحال لاکمیشن کی رکنیت سے زیادہ ذمہ داری کا حامل ہے اور اگر ایک اسلامی مملکت میں کسی خاص قسم کا عقیدہ کسی کو لاکمیشن کی رکنیت سے (Disqualify) کر سکتا ہے تو وہ عقیدہ، بدرجہ اتم، وزارت کے لئے بھی (Disqualification) ہوگا۔ ہمیں امید ہے کہ ارباب حکومت اس پوزیشن کو بھی پیش نظر رکھیں گے - اس لئے کہ ہو سکتا ہے کہ کوئی ایسا مقام آجائے جہاں یہ سوال ایک عملی حیثیت اختیار کر جائے۔

بہرحال، لاکمیشن کے سلسلہ میں جو صورتِ حالات پیدا کر دی گئی ہے، یہ اس کا مختصر سا تذکرہ ہے۔ ہمیں امید ہے کہ ملک کا سنجیدہ طبقہ جسے مملکت کی بہبود اور ملتِ پاکستانیہ کے مستقبل کی فکر ہے، اس مسئلہ کو اپنی گہری توجہ کا مستحق سمجھے گا - تاریخ میں ایسے موڑ بڑی اہمیت رکھتے ہیں - اگر اس مقام پر ہمارا قدم غلط سمت کو اٹھ گیا تو معلوم ہم کہاں سے کہاں جا پہنچیں۔

روئداد طلوع اسلام کنونشن (راولپنڈی)

(مرتبہ:- "جہاں گرد")

طلوع اسلام کی پہلی کنونشن نومبر ۱۹۵۶ء میں لاہور میں منعقد ہوئی تھی۔ دوسری سالانہ کنونشن کا انعقاد راولپنڈی میں ۱۸۔۱۹۔۲۰ اکتوبر ۱۹۵۷ء کو ہوا۔

کراچی سے مندوبین اور مبصرین کا قافلہ (جو قریب بیس احباب پر مشتمل تھا) محترم پرویز صاحب کی معیت میں ۱۵ اکتوبر کی سہ پہر تیز گام سے روانہ ہوا۔ جو احباب کسی وجہ سے کنونشن میں شریک ہونے سے معذور تھے، وہ اس کاروانِ شوق کو الوداع کہنے کے لئے اسٹیشن پر موجود تھے۔ ان کی آنکھوں میں ڈبڈبائے ہوئے آنسو ان کے قلبی اضطراب اور محرومیٔ تمنا کے احساس کے غماز تھے۔ ۱۶ اکتوبر (قریب ۲ بجے) یہ قافلہ لاہور پہنچا۔ کراچی کے ایک مخلص اور باہمت رفیق (محترم محمد شفیع صاحب) نے اسٹیشن پر کھانے کا انتظام کر رکھا تھا۔ کھانا خوش آئند بھی تھا اور با فراط بھی، جو ان کے حسنِ ذوق اور وسعتِ ظرف کا آئینہ دار تھا۔ لاہور کے کچھ احباب پہلے راولپنڈی پہنچ چکے تھے۔ باقی اسی ٹرین میں شریکِ سفر ہو گئے۔ اس سفر کو "سفر" کہنا غلطی ہے۔ ہم آہنگ احباب کا مل کر جانبِ منزل جادہ پیما ہونا "سفر" نہیں "جشن" بن جاتا ہے۔ اسی شام رہ نوردگانِ منزلِ شوق کا یہ "کارواں" راولپنڈی پہونچ گیا۔

اجتماع کا انتظام، محترم شیخ ریاض الحسن صاحب کے بنگلہ واقع ڈھیری حسن آباد میں کیا گیا تھا۔ یہ مقام شہر کے ہنگاموں سے دور، نالہ کرتی کے باہر فطرت کی کھلی فضاؤں میں واقع ہے۔ شیخ صاحب کا مکان بنگلہ نہیں بلکہ (یوں سمجھئے کہ ایک) قلعہ ہے جس کی فصیل کے اندر نہایت فراخ رہائشی مکان، چاروں طرف کھلے احاطے اور تمام ضروریات کے سامان موجود ہیں۔ ان کھلے احاطوں میں قریب تین سو مہمانوں کے قیام اور کنونشن کے اجلاس کا انتظام، بطریقِ احسن کیا گیا تھا۔ اسی احاطے کے اندر ایک مسجد بھی ہے۔ اس سے نماز کے لئے الگ انتظام کرنے کی ضرورت نہ پڑی۔

تعارفی محفل جمعرات ۱۷ اکتوبر کی صبح سے، مہمانوں کی آمد آمد شروع ہو گئی۔ یہ کہکشاں سلسلہ دن بھر جاری رہا اور بعد نماز عشاء (پہلا) تعارفی اجلاس منعقد ہوا۔ (سالِ گذشتہ کی طرح) یہ اجلاس دلچسپ بھی تھا اور

رقت آمیز بھی۔ خلیج فارس سے لے کر بنوں اور کوہاٹ اور ریاست سوات سے لے کر کراچی تک مختلف مقامات کی بزموں کے نمائندگان اور مدعو کردہ مبصرین دور دراز کی منزلیں طے کر کے محض اس جذبے کے ماتحت یکجا جمع ہوئے تھے کہ یہ سوچا جائے کہ اللہ کی کتاب کی تعلیم کو عام کرنے کے لئے کیا کیا موثر ذرائع اختیار کرنے چاہئیں۔ مختلف بزموں کے ترجمان اسٹیج پر آتے اور اپنی اپنی بزم کے نمائندگان اور مبصرین کا تعارف کراتے۔ ان میں اعلیٰ تعلیم یافتہ نوجوان بھی تھے اور ہل چلانے والے کسان بھی۔ کالجوں کے پروفیسر بھی تھے اور مذہبی مکاتب کے فارغ التحصیل معلم بھی (وضع قطع کے اعتبار سے ٹھیٹھ) مغربی تہذیب کے مظہر بھی تھے اور قدامت پرستی کے پیکر بھی۔ دفاتر کے ارباب حل و عقد بھی تھے اور مساجد کے ائمہ و خطیب بھی۔ ان میں پنجابی بھی تھے اور سندھی بھی۔ سرحدی بھی تھے اور بلوچ بھی۔ "مہاجر" بھی تھے اور "انصار" بھی۔ سید بھی تھے اور مرزا بھی۔ خان بھی تھے اور شیخ بھی۔ لیکن وہ اس شامیانہ کے نیچے ان تمام امتیازات و تفریقات کو خیرباد کہہ کر اور اضافی نسبتوں اور علامتوں کو الگ رکھ کر صرف مسلمان کی حیثیت سے جمع ہوئے تھے اور اپنے تعارف میں ان امتیازی علامات کا شائبہ تک بھی نہیں آنے دیتے تھے۔ حتیٰ کہ ان میں سنی بھی تھے اور شیعہ بھی۔ حنفی بھی تھے اور اہلحدیث بھی، دیوبندی بھی تھے اور بریلوی بھی۔ لیکن اب وہ ان فرقہ وارانہ امتیازات کو بھی اپنی طرف منسوب نہیں ہونے دیتے تھے۔ کس قدر مسرت انگیز اور کیف آور تھا یہ حسین اجتماع جس میں تمام افراد خون، رنگ، نسل، زبان، وطن، حتیٰ کہ مذہبی فرقہ وارانہ امتیازات سے بلند ہو کر ایک خدا کی محکومی کا جذبہ دل میں اور ایک مقصد کے حصول کا سودا سر میں لئے کر ایک عالمگیر برادری کی حیثیت سے ایک دوسرے سے متعارف ہو رہے تھے اور زبانِ حال سے کہہ رہے تھے کہ

تری سرکار میں پہنچے تو سبھی ایک ہوئے

(شرکاء کی فہرست الگ شائع کی جا رہی ہے) قریب گیارہ بجے شب، یہ پر کیف محفل برخاست ہوئی۔ محفل تو برخاست ہو گئی لیکن اس جذبۂ شوق کی سیرابی کیسے ہو سکتی تھی؟ چنانچہ خوابگاہ کے شامیانوں کے نیچے، یہاں وہاں، مختلف حلقے بن گئے اور باہمی تفصیلی تعارف کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ آخر شب ذرا آنکھ جھپکی تھی کہ الصلوٰۃ خیر من النوم کی خواب شکن اور سحر پاش صدائے نورانی نے پیغام بیداری دے دیا۔

پہلی نشست

جمعہ ۱۸ اکتوبر۔ چاشت کے وقت کنونشن کا پہلا باقاعدہ اجلاس شروع ہوا۔ سال گذشتہ کے آئین کے مطابق یہی قرار پایا کہ کنونشن کے تمام اجلاس کی صدارت کے فرائض، بزم راولپنڈی کے صدر (کہن سال و جواں ہمت) محترم بشیر احمد سوری صاحب سر انجام دیں۔ اس نشست میں سب سے پہلے بزم طلوع اسلام راولپنڈی کے سکریٹری نے اپنا استقبالیہ خطاب پیش کیا ——— جواں سال۔ جواں بخت۔ جثہ کے اعتبار سے نحیف لیکن نام اور کام دونوں اعتبارات سے حنیف۔ خاموش لیکن ہمہ تن عمل ——— قابلِ مبارکباد ہے وہ بزم جسے اس انداز کا سکریٹری میسر آ جائے۔ ان کا خطاب سابقہ اشاعت میں شائع ہو چکا ہے لیکن جس انداز سے انھوں نے اسے پیش کیا وہ بہت موثر تھا۔

اس کے بعد ادارہ طلوع اسلام کے ناظم (محترم عبدالرب صاحب) نے ادارہ کی یک سالہ رپورٹ پیش کی۔ نپے تلے الفاظ۔

ہر لفظ اپنی جگہ پر بجوڑ خریدہ و محکم۔ نہ ایک لفظ زیادہ نہ ایک لفظ کم۔ مختصر لیکن جامع۔ اسلوب تحریر و تقریر دونوں جذبات سے الگ ہٹ کر واقعاتی۔ بزرگانہ پیرایہ۔ ناصحانہ انداز۔ فکر اور نگاہ صاف، فلہٰذہ بات دلنشیں ——— یہی ناظم صاحب ہیں جن کا شب گذشتہ پرویز صاحب نے ان الفاظ میں تعارف کرایا تھا کہ

> تیس سال اُدھر کی بات ہے جب میں نے قرآنی فکر کی آواز بلند کی تو میں بالکل تنہا تھا۔ کام کی اہمیت۔ منزل کی دشواریاں اور اپنی تنہائی کے پیش نظر میں نے (صاحب ضرب کلیم کی اتباع میں) خدا سے دعا کی کہ رب اشرح لی صدری۔ ویسر لی امری۔ واحلل عقدۃ من لسانی۔ یفقھوا قولی۔ واجعل لی وزیراً من اھلی۔ ھارون اخی اشدد بہ ازری۔ واشرکہ فی امری۔ کی نسبحک کثیراً ونذکرک کثیراً۔ انک کنت بنا بصیراً۔ میں نے یہ دعا کی اور مبدا فیض کی عاجز نوازیوں سے یہ کہہ کر اسے شرف قبولیت عطا فرمایا کہ قد اوتیت سؤلک
>
> اور یوں یہ برادر گرامی مجھے بطور رفیق سفر مل گئے۔ فالحمد للہ علیٰ ذالک۔

ناظم صاحب کی رپورٹ بھی سابقہ اشاعت میں پیشِ ناظرین کی جا چکی ہے۔

اس کے بعد کراچی بزم کے صدر محترم ڈاکٹر حبیب الرحمٰن خاں صاحب نے مرکزی بزم کی روئداد پیش کی۔ ڈاکٹر صاحب رقدیم ہ جائے رہائش کے لحاظ سے ناگپوری۔ تعلیم کے لحاظ سے سائنٹسٹ اور پیشہ کے اعتبار سے ڈاکٹر ہیں۔ بھلا سوچئے کہ ان میں سے کونسی چیز ہے جو زبان کی شگفتگی۔ ذوق کی لطافت اور طبع کی شادابی کی ضامن قرار پا سکتی ہے۔ لیکن ان سے ملنے کے بعد یہ حقیقت بلا تکلف سامنے آجاتی ہے کہ خدا کی دین ان منطقی اندازوں کی پابند نہیں ہوتی۔ جس انداز سے انھوں نے شب گذشتہ اپنے احباب بزم کا تعارف کرایا تھا وہ بڑا ہی دلچسپ تھا۔ ان کی پیش کردہ روئداد بھی طلوع اسلام کے کنونشن نمبر میں شائع ہو چکی ہے۔

اس کے بعد تبریک و تہنیت کی زمزمہ پاشیوں میں محترم پرویز صاحب اسٹیج پر تشریف لائے اور اپنا وہ خطاب ارزانی فرمایا جسے سننے کے لئے سامعین ایک سال سے منتظر اور ہمہ تن شوق تھے۔ سال گذشتہ ان کے خطاب کا سرِ عنوان تھا۔

خیز و بجامِ تشنہ

بادۂ زندگی

فشاں

امسال وہ اس سے ایک قدم آگے بڑھے اور اپنے خطاب کو خُمِ زندگی سے تعبیر کیا۔ چنانچہ اس مرتبہ سرِ عنوان یہ شعر تھا کہ

ساقیا درد مند ہے بزم کے دلپذیر ہے

خُمِ زندگی

کش دم بجہانِ تشنہ میر ...

اور یہ حقیقت ہے کہ ان دونوں خطابات میں وہی فرق تھا جو بادہ اور خم میں ہوتا ہے۔

اکثر دیکھنے میں آیا ہے کہ جن لوگوں کی تحریر میں زور ہوتا ہے ان کی تقریر کمزور ہوتی ہے جن کی تقریر پُرشکوہ ہوتی ہے انہیں لکھنے کا ڈھنگ نہیں آتا۔ لیکن پرویز صاحب ان خوش بخت انسانوں میں سے ہیں جنہیں مبداء فیض کی کرم گستری نے قلم اور زبان دونوں کی نعمتوں سے نوازا ہے۔ جیسی پُرشکوہ اور شگفتہ تحریر ویسی ہی ولولہ انگیز اور شاداب تقریر۔ بلکہ تفصیل میں جائیے تو اکثر اوقات ان کی تقریر، تحریر سے بھی مؤثر نظر آتی ہے۔

قریب ڈیڑھ گھنٹہ تک ان کی تقریر جاری رہی جو اس حقیقت کی شاہد تھی کہ

دل سے جو بات نکلتی ہے اثر رکھتی ہے

ان کا یہ خطاب بھی طلوع اسلام کی سابقہ اشاعت میں وجہ تزئینِ اوراق ہو چکا ہے اور پمفلٹ کی شکل میں الگ بھی شائع ہوا ہے۔

یہ محفل حقائق و معارف، دوپہر کے کھانے اور نماز جمعہ کے لئے برخاست ہوئی۔

جمعہ۔ سہ پہر

جمعہ کی سہ پہر کو دوسرا اجتماع ہوا جس میں بزمہائے طلوع اسلام کے لئے اصولی ہدایات کا مسودہ پیش کیا گیا۔ ایک مختصر سی تمہیدی تقریر میں محترم پرویز صاحب نے بتایا کہ پہلے پہل بزمہائے طلوع اسلام کا خیال کس طرح پیدا ہوا تھا اور ان کا بنیادی مقصد کیا ہے۔ مسودہ کی ایک ایک شق پیش ہوتی رہی اور ضروری وضاحت اور بحث و تمحیص کے بعد منظور ہوتی چلی گئی۔ اس طرح بہت سی غلط فہمیاں رفع ہو گئیں۔ بہت سے شکوک کا ازالہ ہو گیا اور بہت سے نکات صاف اور واضح ہو گئے۔ اور بزموں کا مقصد، کام کی نوعیت اور کام کے طریق کار اجاگر ہو کر سامنے آ گئے۔

یہ اصولی ہدایات سابقہ پرچہ میں چھپ چکی ہیں۔

جمعہ۔ شب

عشاء کی نماز کے بعد درسِ قرآن کریم کی محفلِ شبانہ کا انعقاد ہوا۔ بہت سے عنوانات سامنے تھے لیکن سامعین کا اصرار تھا کہ ان میں سے "من و یزداں" کے عنوان پر گفتگو کی جائے۔ عنوان بڑا نازک اور غیر مانوس سا تھا لیکن اس کی اہمیت اس وقت نمایاں ہوئی جب پرویز صاحب نے قرآن کی روشنی میں اس طرۂ پُرپیچ و خم کے پیچ و خم کھولنے شروع کئے۔ یہ سوالات ہر شخص کے دل میں پیدا ہوتے ہیں کہ خدا کیا ہے؟ وہ کیسا ہے؟ اس کا ماننا کیوں ضروری ہے؟ ماننے سے کیا ملتا ہے اور نہ ماننے سے کیا بگڑتا ہے؟ میرا اور خدا کا تعلق کیا ہے؟ یہ سوالات انسان کے دل میں اس وقت سے پیدا ہونے شروع ہوئے جب اس نے شعور کی آنکھ کھولی۔ اور ان کا سلسلہ آج تک جاری ہے۔ فلسفہ، بالخصوص الٰہیات نے ان کے جوابات پیش کرنے کی کوششیں کیں لیکن اس کے بعد خود ہی اس کا بھی اعتراف کرنا پڑا کہ یہ جوابات انسانی خلش اور کاوش کے لئے سامان

تسکین فراہم نہیں کر سکے۔ ارباب "مذاہب" نے بھی ان کے متعلق بہت کچھ کہا اور سنا لیکن وہ بھی انسان کے قلب مضطرب کے لئے وجہ شکیبائی نہ ہو سکا۔ اور بات وہی ثابت ہوئی جس کی طرف غالب نے یہ کہہ کر اشارہ کیا تھا کہ

دیر و حرم آئینۂ تکرارِ تمنا
واماندگیٔ شوق تراشے ہے پناہیں

تا آنکہ قرآن آیا اور اس نے ان اہم اور مشکل ترین عقدوں کو اس انداز سے حل کیا کہ اس سے انسان کا ذہن اور قلب دونوں (علیٰ وجہ البصیرت) مطمئن ہو گئے۔ درسِ قرآن کی اس محفل میں، قرآن کے انہی حقائق کو سامنے لایا گیا تھا۔ (جیسا کہ پرویز صاحب کا انداز ہے) وہ علوم جدیدہ کے ائمہ فکر و نظر کے خیالات اور انکشافات کو قرآنی حقائق کے سامنے لا کر اس حقیقت کو بے نقاب کرتے چلے جاتے تھے کہ قرآن کس طرح فکرِ انسانی کی امامت کرتا ہے۔ اس محفل میں پہلی مرتبہ یہ بات سمجھ میں آئی کہ اللہ پر ایمان کے معنی کیا ہیں اور خدا کا اور ہمارا تعلق کیا ہے۔ نیز یہ کہ قرآن نے جو کہا ہے کہ وہی لوگ ہدایت کے راستہ پر سمجھے جائیں گے جو خدا پر اس طرح ایمان لائیں گے جس طرح قرآن نے کہا ہے تو اس دعوے سے مطلب کیا ہے اور وہ کس طرح صداقت پر مبنی ہے۔ یہ واقعہ ہے کہ خدا کا جو تصور قرآن نے پیش کیا ہے وہی حقیقت پر مبنی اور بے مثل و بے نظیر ہے۔ اس کے علاوہ کوئی تصور حقیقت پر مبنی نہیں ہو سکتا۔

یہ موضوع (بظاہر) فلسفیانہ اور خشک سا نظر آتا تھا۔ لیکن وہ جو کہا گیا ہے کہ

ذکر اس پری وش کا اور پھر بیاں اپنا

قرآن کے حقائق جب پرویز کی زبان سے بیان ہوں تو نہ کوئی موضوع فلسفیانہ طور پر ادق رہ جاتا ہے اور نہ ہی منطقیانہ انداز پر خشک۔ سب سے زیادہ مسرت انگیز بات یہ تھی کہ سامعین میں اکثریت ان کی تھی جو دور دراز دیہات کے بسنے والے تھے اور (بظاہر) کم تعلیم یافتہ تھے۔ لیکن جس جذب و انہماک سے انھوں نے ان حقائق کو سنا اور سمجھا اس سے اندازہ ہوا کہ طلوع اسلام نے کتنا عظیم ذہنی انقلاب پیدا کر دیا ہے۔

محترم پرویز صاحب نے بتایا کہ یہ موضوع معارف القرآن کی جلد اول کے جدید ایڈیشن کا پہلا باب ہوگا۔ یہ ایڈیشن اب زیرِ کتابت ہے۔

یہ حقیقت کشا اور فکر پرور محفلِ قرآنی گیارہ بجے شب کے قریب ختم ہوئی بلکہ یوں کہیے کہ ختم کر دی گئی کیونکہ سامعین میں سے کسی کا بھی اٹھنے کو جی نہیں چاہتا تھا۔

ہفتہ۔ صبح ۱۹ اکتوبر (بروز ہفتہ) چاشت کے وقت کنونشن کے دوسرے روز کی کارروائی شروع ہوئی۔ اس نشست میں بزموں کی طرف سے مختلف تجاویز پیش ہوئیں۔ اور قراردادوں کی شکل میں پاس ہوئیں۔

اس باب میں سب سے زیادہ قابلِ ذکر اور مسرت افزا پہلو یہ ہے کہ تجاویز پر بحث و تمحیص پوری پوری آزادی سے ہوئی تھی لیکن ہر تجویز بالاتفاق رائے (یعنی کثرتِ رائے سے نہیں بلکہ اتفاق رائے) سے منظور ہوئی۔ اکثر یہ ہوا کہ اختلافِ آرا کی صورت میں دریافت کیا گیا کہ اس ضمن میں قرآن کریم کیا راہ نمائی دیتا ہے۔ اور جب قرآن کی تعلیم سامنے آگئی تو تمام اختلافات ختم ہو گئے۔ اس مقام پر بھی یہ حقیقت سامنے آئی کہ طلوع اسلام کی مسلسل تعلیم نے نگاہوں میں کس قدر تبدیلی پیدا کر دی ہے۔ یہ تمام قراردادیں (زیرِ نظر شمارہ میں) الگ شائع ہو رہی ہیں۔

قارئین کو یاد ہوگا کہ محترم پرویز صاحب نے سائنٹیفک طریق پر قرآن کریم کا ایک جامع لغت تیار کیا ہے اور اس کی روشنی میں قرآنی مفہوم بھی لکھا ہے یہ دونوں گرانقدر تصانیف قرآنی فکر کی تحریک میں سنگ میل کا حکم رکھتی ہیں۔ لیکن ادارہ کے پاس سرمایہ نہ ہونے کی وجہ سے ابھی تک ان کی طباعت کا انتظام نہیں ہو سکا۔ سال گذشتہ کی کنونشن میں ان کی طباعت کے سلسلہ میں ایک تجویز قابلِ قبول بھی گئی تھی۔ لیکن بعض وجوہات کی بنا پر وہ عمل میں نہ لائی جا سکی۔ قرآنی احباب کی بیتابی تمنا اس باب میں مزید تاخیر کی متحمل نہیں ہو سکتی تھی۔ اس لئے جس مسئلے نے سب سے آگے بڑھ کر توجہات کو اپنی طرف کھینچ لیا وہ ان کتابوں کی طباعت کا سوال تھا۔ اس مسئلہ پر جس گہری دلچسپی کا اظہار کیا گیا اس سے ظاہر تھا کہ اس حلقہ میں قرآنی فکر کی نشر و اشاعت کا سوال کس قدر اہمیت حاصل کر چکا ہے۔ بالآخر یہ تجویز ہوئی کہ مختلف بزمیں اس امر کا اعلان کریں کہ وہ سال بھر میں کس قدر رقم فراہم کر سکیں گی چنانچہ اس امر پر مختلف بزموں کی طرف سے (نیز مختلف افراد کی طرف سے) اعلانات شروع ہوئے۔ ان میں سے کچھ رقوم نقد وصول ہو گئیں اور بقایا وعدوں کی شکل میں رہیں۔ ان اعلانات کی فہرست الگ شائع کی جا رہی ہے۔ تجویز کے مطابق یہ رقوم ناظم ادارہ طلوع اسلام کے پاس جمع ہوں گی۔ اور ادارہ انہیں ان دو تصانیف کی طباعت کے سلسلہ میں صرف کریگا اور اس کی رپورٹ آئندہ کنونشن میں پیش کرے گا۔

دوپہر کے کھانے اور نماز کے لئے یہ اجلاس برخاست ہوا۔

ہفتہ سہ پہر

عصر کی نماز کے بعد ایک نہایت دلچسپ اور منفعت بخش محفل کا انعقاد ہوا۔ سامعین سے کہا گیا کہ قرآنی فکر اور تعلیم کے متعلق جس قدر اہم اور مشکل سوالات ان کے ذہن میں ہوں۔ وہ ان کی بابت محترم پرویز صاحب سے دریافت کریں۔ اس پر مختلف گوشوں سے استفسارات پھولوں کی طرح برسنے لگے۔ یہ استفسارات اس قدر متنوع عنوانات پر مشتمل تھے کہ ان کا احاطہ مشکل ہے۔ زندگی سے پہلے اور موت کے بعد کے مابعد الطبیعاتی امور سے لے کر نکاح اور طلاق کی جزئیات تک سب اس دائرے کے اندر آ رہے تھے۔ چونکہ سوالات جیسے آتے تھے ویسے ہی ان کا جواب دیا جاتا تھا اس لئے ایک سوال کے بعد دوسرے سوال کے سامنے آنے سے سامعین کے ذہن کی وہ حالت ہو جاتی تھی جو حالت ایک تیز رفتار موٹر کار میں پہاڑی راستے پر سفر کرنے سے ہوتی ہے۔ یعنی قدم قدم پر ایک نیا موڑ مڑنا پڑتا ہے جس سے ذہن کی چولیں ہل

جاتی ہیں۔ سامعین کے ذہن کی تو یہ حالت تھی لیکن جناب مجیب پران موڑوں کا کسی قسم کا اثر دکھائی نہیں دیتا تھا۔ وہ نہایت سکون و اطمینان اور حسب معمول شگفتگی و شادابی سے تمام سوالات کا جواب دیتے چلے جاتے تھے۔ اس محفل میں معلوم ہوا کہ اس بندۂ خدا کو قرآن پر کس قدر عبور حاصل ہے اور اس نے کس دقّتِ نظر سے اس کے حقائق پر غور و فکر کیا ہے۔ پرویز صاحب کو کسی سوال کے جواب میں کسی قسم کا تردد یا تامل ہوا۔ اور نہ ہی کسی جواب پر مستفسر نے عدم اطمینان کا اظہار کیا۔ ہر جواب کے ساتھ پرویز صاحب کی یہ تصریح بھی خاص اہمیت رکھتی تھی کہ جو کچھ میں نے کہا ہے اسی پر اکتفا کر کے نہ بیٹھ جائیے بلکہ قرآن کریم پر خود بھی غور کیجئے کہ جو کچھ میں اپنی بصیرت سے کہتا ہوں وہ

چراغِ راہ ہے۔ منزل نہیں ہے

نماز مغرب کی اذان سے نیاں طلبی اور گہر باری کا یہ سلسلۂ درخشاں اختتام پذیر ہوا۔

ہفتہ۔ شب ہفتہ کے روز مطلع ابر آلود تھا۔ مغرب کے بعد ترشح شروع ہوا۔ مہمانوں کی قیام گاہ۔ طعام گاہ۔ جلسہ گاہ سب شامیانوں کے نیچے تھیں۔ جوں جوں ترشح زیادہ ہوتا جاتا تھا۔ خطرہ بڑھتا جاتا تھا کہ اگر بارش زیادہ ہو گئی تو تمام انتظامات درہم برہم ہو جائیں گے۔ لیکن

دریا کو اپنی موج کی طغیانیوں سے کام

قوانین فطرت انسانی جذبات سے متاثر نہیں ہوتے۔ نہ کسی کی خاطر اپنا پروگرام بدلتے ہیں۔ ترشح کا یہ سلسلہ بدستور جاری رہا تاآنکہ بعد نماز عشا درس قرآن کی دوسری محفل کا وقت آگیا۔ اسی بارش میں مشتاقانِ معارفِ قرآن کا ہجوم جلسہ گاہ میں پہنچ گیا۔ اصرار ہوا کہ محترم پرویز صاحب نے جو لغت مرتب کیا ہے اور جس کا چرچا اتنے دنوں سے سنتے آ رہے ہیں اس سے چند الفاظ سامنے لائے جائیں تاکہ اس کی نوعیت کا اندازہ ہو سکے۔ پرویز صاحب نے پہلے مختصر طور پر عربی زبان کی تاریخ بیان کی۔ پھر اس کی نمایاں خصوصیات سامنے لائے۔ پھر یہ بتایا کہ قرآن کریم نے الفاظ کے انتخاب میں کس اعجاز سے کام لیا ہے۔ اس کے بعد بنیادی مادوں سے الفاظ کے معانی متعین کرنے کے اصول پر روشنی ڈالی اور اسے دو تین مثالوں سے واضح کیا۔ اس تمہیدی وضاحت کے بعد وہ اصل موضوع پر آئے اور سورۂ فاتحہ کے مفردات کے معانی متعین کرنے کے سلسلہ کی ابتدا کی۔ اس میں سب سے پہلا لفظ **حمد** ہے۔ انہوں نے **حمد** کے عنوان سے لغت کا متعلقہ حصہ سنانا شروع کیا۔

لغت اور اس کا مطالعہ جس قدر خشک اور تھکا دینے والا موضوع ہوتا ہے ارباب معنی سے پوشیدہ نہیں۔ ایسا جامد و یابس موضوع اور ایک ایسے مجمع میں جسے کسی لحاظ سے بھی خالص علمی اور تحقیقاتی نہیں کہا جا سکتا تھا۔ ذہن اسی طرف جاتا ہے کہ چند لمحات کے بعد سامعین اکتا گئے ہونگے۔ لیکن آپ یہ سنکر حیران ہوں گے کہ یہ سلسلہ اس قدر جاذب تھا کہ شامیانہ جگہ جگہ سے ٹپک رہا تھا لیکن کوئی شخص اپنی جگہ سے سرک تک نہیں رہا تھا اور عالم یہ تھا کہ

مژہ برہم مزن تا نشکنی رنگِ تماشا را

بارش بڑھتی گئی۔ اور شامیانے سے پانی دھاروں کی شکل میں نیچے آنا شروع ہو گیا۔ راولپنڈی کی سردی، رات کا وقت۔ مسلسل پانی۔ لیکن کیا مجال جو مجمع میں ذرا سا اضطراب بھی دکھائی دیا ہو۔ جب بارش زیادہ بڑھ گئی تو پرویز صاحب نے کہا کہ اب مجبوری انتہا تک پہونچ گئی ہے اس لئے اس محفل کو ختم کر دینا چاہیئے۔ لیکن سامعین کا شوق بعید اس پر آمادہ نہیں ہوتا تھا۔ بالآخر اس اندیشہ سے کہ سردی اور بارش کہیں زیادہ مضر اثرات نہ پیدا کر دے، مجبوراً اس نشست کو ختم کرنا پڑا۔ بس مختصر سے تعارف سے اندازہ ہوا کہ یہ مرتب شدہ لغت کیا چیز ہے اور اس سے قرآن فہمی کے دروازے کس طرح کھل جائیں گے صاف نظر آتا تھا کہ اگر کسی شخص نے صرف لغت کو بہ معانِ نظر دیکھ لیا تو اسے قرآن سمجھنے کے لئے کسی تفسیر کی ضرورت نہیں پڑے گی۔

جلسہ برخاست ہوا تو ہر شخص کی زبان پر تھا کہ خدا کرے یہ بے بہا نعمت جلد از جلد طبع ہو کر ہمارے سامنے آجائے۔

شب میں بارش زیادہ ہو گئی۔ اکثر احباب مکان کے کمروں اور برآمدوں میں سر چھپا کر بیٹھ گئے۔ لیکن کئی ایسے بھی تھے (مثلاً صدر صاحب بخت جمال خاں جیسے پیر جواں ہمت اور طوفان آزما) جنھوں نے اپنے مستقر کو چھوڑنا پسند نہ کیا۔ شامیانہ بارش کے بوجھ سے دبتا گیا اور بالآخر نیچے آگرا ——— شامیانہ ہی تو تھا۔ بخت جمال خاں کا عزم نہیں تھا جو کسی کے دبائے نہیں دبتا۔ اور کسی کے جھکائے نہیں جھکتا ——— بارش ہو رہی ہے۔ بھیگا ہوا شامیانہ اوپر پڑا ہے۔ اور نیچے سے قہقہوں کی آوازیں آرہی ہیں!

آپ یہ معلوم کر کے متعجب اور مسرور ہوں گے کہ اس سارے ہنگامے میں نہ کسی ایک شخص کی تیوری پر بل دیکھا گیا۔ نہ کسی ایک کے لب پر حرفِ شکایت آیا۔ ہر ایک نے نہایت خندہ پیشانی سے اس حادثہ کا استقبال کیا اور دل کے پورے اطمینان سے ادا کر دیا۔ آپ سوچئے کہ اگر کسی بارات میں ایسا حادثہ پیش آجاتا تو کیا نقشہ سامنے آتا۔ ویسے بھی طبائع مختلف ہوتی ہیں اور ایک ہی واقعہ کے متعلق مختلف طبائع کا ردِ عمل مختلف ہوتا ہے۔ لیکن اس دو تین سو افراد کے اجتماع میں ہر ایک کی طرف سے ایک ہی قسم کے ردِ عمل نے اس حقیقت کو آشکارا کر دیا کہ جب قلب و نگاہ میں ایک جیسی تبدیلی پیدا ہو جائے تو پھر کس طرح ہر فرد کا ردِ عمل ایک جیسا ہوتا ہے۔ یہی ہے الف بین قلوبکم کی وہ کیفیت جو ایمان کا عملی اور فطری نتیجہ ہے۔

اتوار کی صبح

اتوار (۳۰ اکتوبر) کی صبح بھی بارش کا سلسلہ جاری تھا لیکن الوداعی نشست کے لئے تمام احباب صبح ہی سے مکان کے گوشوں اور کونوں میں جمع ہونا شروع ہو گئے تھے۔ الوداعی نشست کا منظر بڑا اثر انگیز اور رقت

آور ہوتا ہے۔ کنونشن کے پہلے دن، ہر آنکھ میں مسرت کی چمک دکھائی دیتی ہے لیکن آخری نشست میں وہی آنکھ نم آلود ہو جاتی ہے۔ یہ تأثر خود محترم پرویز صاحب کے الوداعی خطاب میں بھی ابھر کر سامنے آجاتا ہے۔ دیکھنے والے دیکھتے ہیں کہ وہ بڑے ضبط سے کام لینے کی کوشش کرتے ہیں لیکن اکثر مقامات پر ان کی یہ کوشش ناکام رہ جاتی ہے۔ وہ مقامات جن کے متعلق کہا گیا ہے کہ

دل کا خوں آنکھ میں کھنچ آئے تو کیا اس کا علاج
نالہ روکا تھا کہ یہ پردہ درِ راز نہ ہو

آخری خطاب میں انھوں نے سورۂ مدثر کی ابتدائی آیات کی تشریح سے بتایا کہ ایک انقلابی تحریک کو (جس کی بنیاد تطہیرِ فکر و نظر پر ہو) اپنے ابتدائی مراحل میں کن حوادث سے دوچار ہونا پڑتا ہے اور ان سے عہدہ برآ ہونے کے لئے اس جماعت کو کیا کچھ کرنا پڑتا ہے۔ یہ تفسیر کیا تھی؟ سورۃ کے الفاظ کی لغوی تشریح تھی جس سے مطالب خود بخود واضح ہوتے چلے جاتے تھے اسی سلسلہ میں یہ نقطہ بھی سامنے آیا کہ امت میں اس وقت جس قدر فرقے پیدا ہو چکے ہیں ان کے مٹنے کی تدبیر کیا ہو سکتی ہے! یہ سوال وہ ہے جس کا احساس تو ہر ایک کو ہے لیکن اس کا حل کسی کی سمجھ میں نہیں آتا۔ پرویز صاحب نے اس کا جو حل قرآن کریم سے بیان کیا وہ ہر صاحبِ بصیرت کے لئے دیدہ کشا تھا۔ (انھوں نے وعدہ کیا کہ وہ اس موضوع پر تفصیلی طور پر طلوعِ اسلام میں لکھیں گے)۔ جس چیز پر انھوں نے سب سے زیادہ زور دیا وہ یہی تھی کہ طلوعِ اسلام کی فکر سے متمسک احباب کہیں خود ہی ایک فرقہ نہ بن جائیں۔ اس کے لئے انھوں نے نہایت مؤثر انداز میں ضروری ہدایات دیں۔ انھوں نے ایک بار پھر اس اہم حقیقت پر زور دیا کہ جب تک افراد سب سے پہلے خود اپنے اندر فکر و کردار کی وہ تبدیلی پیدا نہیں کر لیتے جو قرآن کا منشا ہے ان کی آواز کوئی نتیجہ پیدا نہیں کر سکتی۔ انھوں نے بتایا کہ طلوعِ اسلام کی تحریک کوئی ہنگامی تحریک نہیں جسے محض جذبات کے زور پر آگے بڑھایا جائے۔ یہ علم و بصیرت پر مبنی ایک انقلابی تحریک ہے جس کا مقصود قرآنی معاشرہ (خلافت علیٰ منہاجِ رسالت) کی تشکیل کے لئے نفس کو سازگار بنانا ہے۔ اس ضمن میں انھوں نے حضورؐ کی سیرتِ طیبہ اور صحابہ کبارؓ کی مبارک زندگی سے ایسی درخشندہ مثالیں پیش کیں جو حوادثِ زمانہ کے بحرِ متلاطم میں روشنی کے بلند مینار کی طرح جگمگ جگمگ کرتے دکھائی دیتی ہیں۔

اثر و جذب اور کیف و سرور میں ڈوبی ہوئی یہ محفل قریب بارہ بجے تک قائم رہی۔ آخر میں جب پرویز صاحب نے دعا کے لئے ہاتھ اٹھائے تو سامعین کے ضبط کردہ جذبات بے اختیار آنسوؤں اور سسکیوں کی شکل میں امنڈ پڑے۔ کس قدر پُرکیف تھا یہ منظر جس میں حسین آرزوئیں اور مقدس تمنائیں، اس اثر و جذب کے ساتھ نفس کو معمور کر رہی تھیں۔

دوپہر کے کھانے کے بعد احباب کی مراجعت شروع ہوئی۔ ہر بھائی دوسرے بھائی سے گلے مل کر رخصت ہو رہا تھا۔ دل مخلص جذبات سے لبریز، آنکھوں میں آنسو، لب پر دعائیں اور جانے کے بعد جلد دوبارہ ملنے کی تمنائیں۔ یہ سلسلہ سہ پہر تک جاری رہا۔
اس طرح تین چار دن کی گہما گہمی کے بعد کنونشن کا یہ پُرکیف اجتماع بخیر و خوبی اختتام پذیر ہوا۔ فالحمد للہ علیٰ ذالک۔ بلا

تامل کہا جا سکتا ہے کہ یہ نقش ثانی نقش اول سے کہیں زیادہ کامیاب تھا جس سے واضح تھا کہ قرآنی فکر کی یہ حسین و سادہ تحریک ایک سال میں کس قدر آگے نکل گئی ہے۔ اس کنونشن نے جو سب سے نمایاں اثر پیچھے چھوڑا وہ یہ ہے کہ شہری آبادی کے مقابلہ میں دیہاتی آبادی اور مرفہ الحال طبقہ کے مقابلہ میں غریب طبقہ اس تحریک سے زیادہ متاثر ہے۔ دوسرے یہ کہ جو لوگ (عام معیار کے مطابق) زیادہ تعلیم یافتہ نہ تھے وہ بھی بات کو خوب سمجھے ہوئے تھے۔ کنونشن میں شریک ہونے والوں میں شاید ہی کوئی ایسا ہو جو یہ نہ سمجھ چکا ہو کہ قرآن کی رُو سے انسانی زندگی کا مقصود کیا ہے اور وہ کس قسم کا معاشرہ متشکل کرنا چاہتا ہے۔

اور یہ بہت بڑی بات ہے۔

راولپنڈی کے کارکنوں میں سے ہر ایک اپنی اپنی جگہ اہمیت رکھتا تھا لیکن جو احباب اپنے خاموش عمل سے دل پر ایک خاص اثر چھوڑ گئے ان میں حنیف صاحب۔ قدرت اللہ صاحب۔ شاد صاحب۔ عبدالحمید صاحب۔ فیروز علی بھٹی صاحب۔ ظہور الحق صاحب۔ آصف صاحب اور محمد دین صاحب کے نام ابھر کر سامنے آتے ہیں۔ اور ان سب کے اوپر لاہور بزم کے چودھری عبدالرحمن صاحب —— زباں پہ بارِ خدایا یہ کس کا نام آیا —— جو ہر انتظامی مسئلہ کا حل نگاہوں ہی نگاہوں میں اس خوبصورتی سے کر جاتے ہیں کہ باید و شاید۔

کنونشن کے بعد

حسب سابق مختلف مقامات کی بزموں کی طرف سے پرویز صاحب کو دعوت دی گئی تھی کہ وہ کنونشن کے بعد اُن مقامات میں تشریف لے جائیں۔ اس پروگرام کے مطابق ۲۱ اکتوبر کو وہ مردان کی طرف روانہ ہوئے۔ کراچی کے احباب میں سے قریب پندرہ حضرات ان کے ساتھ تھے۔ مردان میں محترم ڈاکٹر ایم خان صاحب کے دولتکدہ پر قیام ہوا۔ ڈاکٹر صاحب پٹھانوں کی مہمان نوازی کی مخصوص روایات کے ساتھ اپنی مغربی تعلیم اور ڈاکٹری تجربہ کی وجہ سے مہمانوں کی آسائش کے علاوہ ان کی صحت کا بھی خاص خیال رکھتے ہیں۔ اس بنا پر ان کے ہاں کا قیام بڑا ہی خوشگوار رہتا ہے۔ مردان میں بارش زوروں پر تھی جس کی وجہ سے کسی پبلک اجتماع کا تو انتظام نہ ہو سکا لیکن علاقہ بھر کے احباب نجی طور پر آتے اور ملتے رہے۔ اور اس طرح آسمانی بارش کے ساتھ قرآنی معارف کی گہر باری کا یہ سلسلہ بھی جاری رہا۔

۲۲ اکتوبر کی شام یہ قافلہ جانب پشاور روانہ ہوا۔ اور سکندر پورہ میں محترم مرزا علی احمد صاحب (انجینیر) کے مکان پر فروکش ہوا۔ مرزا صاحب بڑی محبت کے انسان ہیں۔ ایسی بھرپور محبت کے انسان کہ قدم قدم پر دکھائی دیتا ہے کہ ——

سینۂ شمشیر سے باہر ہے دم شمشیر کا —— انھوں نے مہمانوازی کی تواضع میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی۔

دسابق) صوبہ سرحد کی خصوصیت یہ ہے کہ وہاں کی مخالفت بھی شدید ہوتی ہے اور موافقت بھی شدید۔ طلوع اسلام کی

قرآنی تحریک کی مخالفت کا اندازہ اس سے لگایئے کہ سرزمین لپٹ ور پر قدم رکھتے ہی، پرویز صاحب کا استقبال ایک چیلنج سے ہوا۔ اور وہ چیلنج (بجرفہ) یہ تھا۔

اعلانِ حق

جماعت ناجیہ صالحہ کی طرف سے غلام احمد پرویز منکر حدیث کو چیلنج مناظرہ

شرائط مناظرہ یہ ہے

۱۔ مقام مناظرہ پاکستان کے علاوہ ایسے اسلامی مملکت ہوں جس میں حدود و قصاص جاری ہو سکتا ہوں۔

۲۔ اقرار یہ ہوں کہ کوئی بھی فریقین میں سے ملزم ہو جائے وہ سنگسار کریں۔

۳۔ مناظرہ میں کوئی قاضی اسلام مقرر ہوں۔

۴۔ مناظرہ کا اصول مقرر کریں کہ عقل صرف ہوں، یا نقل صرف ہوں، یا دونوں ہوں۔

وجوہات شرایط

پہلا شرط ۱۔ اس لئے لگایا کہ چار اکتوبر بمقام اتمانزائی مکان حاجی شاہ نواز خان میں علمائے حق نے صدر جمہوریہ پاکستان مرزا سکندر سے یہ مطالبہ کیا تھا کہ پرویز منکر حدیث انتخابی بورڈ سے نکالا جائے۔ اس نے صاف انکار کر کے اس کی حمایت کرلی اس لئے پاکستان اس کے مناظرہ کی جگہ نہیں ہے۔

دوسرا شرط ۲۔ اس لئے لگایا کہ لفظی مناظرہ سے کوئی فائدہ نہیں ہوتا ہے تا وقتیکہ ملزم اپنا کردار یا اقوال کا سزا نہ پائیں۔

شرط ۳۔ اس لئے لگایا کہ بغیر قاضی یا حکم سے کوئی فیصلہ نہیں ہو سکتا ہے۔

شرط ۴۔ اس لئے لگایا کہ اصول بحث طریق مناظرہ معلوم ہوں۔

نوٹ:۔ اگر غلام احمد پرویز کو یہ منظور ہو۔ تو چیلنج منظور کرکے، تاریخ و مملکت متعین کرلیں۔

المعلن:۔ امیر جماعت ناجیہ صالحہ (فخر کشمیر) حاجی محمد امین عفی عنہ

ناظم اعلیٰ۔ مولانا عبدالحلیم، المجاہد آباد۔ لپٹ ور

یہ بھی معلوم ہوا کہ گذشتہ (قریب) ایک ماہ سے لپٹ ور میں عید میلاد النبی کے نام سے اجتماعات ہو رہے تھے جن میں موضوع سخن طلوع اسلام کی مخالفت تھا۔ اور حسب معمول اس مخالفت کا سارا مواد غلط بیانیوں اور تہمت تراشیوں پر تھا۔ فضا کے اس تکدر کے پیش نظر اکثر احباب کو خدشہ تھا کہ وہاں کوئی اجتماع کامیاب نہیں ہو سکے گا۔ لیکن انہی میں ایک ایسے دوست بھی تھے جن کے قلبی تاثرات اور ادراک و حرکت تب رہی تھی کہ وہ جو اقبال نے کہا ہے کہ

با اضطرابِ موج، سکونِ گہر بدہ

وہ اس کے عملی پیکر ہیں۔ وہ تمام باتوں کو خاموشی سے سنتے رہے اور اس کے بعد ایک ایسی آواز میں جس میں سکون اور اعتماد کی پوری پوری جھلک موجود تھی، کہا کہ یہاں ایک نہیں، دو اجتماع ہوں گے اور خدا نے چاہا تو بڑے کامیاب ہوں گے یہ قرآن کی آواز ہے جس میں کسی کا کوئی ذاتی مقصد پوشیدہ نہیں اس لئے یہ کس طرح نہیں سنی جائے گی!

یہ تھے قرآنی فکر کے خاموش مبلغ محترم یوسف ضیاء صاحب (سپرنٹنڈنگ انجینیر۔ الیکٹریسٹی۔ پشاور) جن کے مکان کے وسیع صحن میں اُسی شب ایک خاص اجتماع ہوا جسے پشاور اور مضافات کے ارباب فکر و نظر کا نمائندہ اجتماع کہنا چاہیئے۔ عید میلاد النبیؐ کی نسبت سے موضوعِ سخن تھا "رحمۃ للعالمین"۔ قریب ڈیڑھ گھنٹہ تک تقریر جاری رہی۔ جس کے جذب و اثر کا یہ عالم تھا کہ اس سارے وقت میں کسی نے اونچے سانس تک نہ لی۔ حضورِ رحمت اللعالمینؐ کا "تذکارِ جلیلہ" اور پرویز صاحب کا بیان! نتیجہ یہ کہ جب تقریر کے خاتمہ پر کہا گیا کہ کوئی بات وضاحت طلب ہو تو دریافت کرلی جائے تو ہر طرف سے یہ آواز آئی کہ وہ کونسی بات ہے جو تشنہ رہ گئی ہے؟

اس تقریر کا اثر یہ تھا کہ وہی پشاور جس میں کل تک یہ مشہور تھا کہ یہ شخص (پرویز) معاذ اللہ منکرِ شانِ رسالت اور منکرِ حدیث ہے اس کے گلی کوچوں سے یہ آواز آرہی تھی کہ یہ ہمارے علماء بھی کس قدر غلط بیانی سے کام لیتے ہیں!

دوسری شب بھی وہیں اجتماع ہوا جس کے لئے دن بھر مختلف گوشوں سے مانگ مانگ کر دعوت نامے منگائے گئے تھے شب گذشتہ کے مقابلے میں یہ اجتماع کہیں زیادہ وسیع اور کثیر تھا۔ ضیاء صاحب کی تجویز (بلکہ اصرار) پر "من و یزداں" کے عنوان پر تقریر ہوئی۔ اس میں جاذبیت کا یہ عالم تھا کہ جب قریب ڈیڑھ گھنٹہ کے بعد تقریر ختم ہوئی تو کسی کو یقین نہیں آتا تھا کہ اتنا وقت گذر چکا ہے شب گذشتہ کی تقریر نے اگر مخالفین کی بہتان تراشیوں اور تہمت بافیوں کا پردہ چاک کر دیا تھا تو اس تقریر نے مثبت طور پر بتایا کہ قرآنی حقائق کیا ہیں اور انہیں کس طرح سمجھا اور سمجھایا جاسکتا ہے۔ عام تبصرہ یہ تھا کہ پشاور میں اس قسم کی تقریر اس سے پہلے کبھی نہیں سنی گئی۔

اللہ کا شکر ہے کہ پشاور کے احباب کی مخلصانہ کوششوں سے قرآنی فکر کے خلاف اس قدر شدید پروپیگنڈہ کا بڑی حد تک ازالہ ہوگیا۔

محترم پرویز صاحب کو لاء کمیشن کے اجلاس میں شرکت کے لئے ۲۶ اکتوبر کو لاہور پہنچنا تھا۔ اُسی شام انہوں نے بزمِ اقبال کے زیرِ اہتمام سینیٹ ہال میں "اسلام میں قانون سازی کا اصول ــــ فکرِ اقبال کی روشنی میں" کے عنوان پر تقریر بھی کرنی تھی۔ اس لئے ۲۵ کی صبح یہ قافلہ سیدھا جانب لاہور روانہ ہوگیا۔

پرویز صاحب استقبالی مظاہروں کو پسند نہیں کرتے اس لئے وہ احباب کو اس سے ہمیشہ روکتے رہتے ہیں۔ لیکن اس مرتبہ زندہ دلانِ لاہور کا ذوقِ شوق ان تاکیدات پر غالب آگیا۔ چنانچہ جب گاڑی لاہور پہنچی ہے تو اسٹیشن پر منتظرین کا ایک ہجوم موجود

تھا جنھوں نے پھبتوں اور نعروں سے، اس خاموش آمد کو "پھیکے خلاف" جلوس کی شکل دیدی تھی۔ لاء کمیشن کی میٹنگ ملتوی ہوچکی تھی، شام کو سینیٹ ہال میں جلسہ تھا۔ پرویز صاحب کی لاء کمیشن میں شرکت کے خلاف، بعض مفاد پرست حلقوں کی طرف سے مخالفت کی جو گرد اڑائی جارہی تھی اس کے اثرات لاہور کی فضا میں بھی نمایاں طور پر موجود تھے۔ علیٰ ان حالات میں، قانون سازی کے موضوع پر پبلک جلسہ میں ان کی تقریر احباب کے دل میں تشویش پیدا کرنے کا کافی سامان اپنے اندر رکھتی تھی۔ ہال، قبل از وقت کھچا کھچ بھرا ہوا تھا۔ سوا چھ بجے چودھری نذیر احمد خان صاحب کی صدارت میں تقریر شروع ہوئی۔ ابتدا میں ایک گوشے سے برہمی پھیلانے کی ناکام سی کوشش ہوئی۔ لیکن اس کے بعد جلسے میں سناٹا چھایا رہا اور تقریر کو اس سکون اور خاموشی سے سنا گیا جس کی مثال (لاہور کی ہنگامہ خیز فضا میں) بہت کم ملے گی۔ یہ تقریر طلوع اسلام کی سابقہ اشاعت میں شائع ہوچکی ہے اس سے قارئین نے اندازہ لگا لیا ہوگا کہ پرویز صاحب کس بلیغ اور اچھوتے انداز سے تمام غلط فہمیوں کو دور کرکے، حقیقت کو بے نقاب کرتے چلے گئے ہیں۔ اس تقریر سے لاہور کی فضا کا رنگ بدل گیا۔ دوسری شب ہسٹاریکل سوسائٹی کے زیر اہتمام دیال سنگھ کالج میں، جلسہ عام ہوا جس میں موضوع سخن یہ تھا کہ قرآن کی رو سے علم کی تعریف کیا ہے اور عالم کسے کہتے ہیں۔ ایک علمی مرکز میں، علم کے طالبوں کے زیر اہتمام خالص علمی موضوع پر گفتگو بظاہر غیر جاذب دکھائی دیتی لیکن تقریر بڑی دلچسپی اور گرمجوشی سے سنی گئی جس سے یہ حقیقت نمایاں طور پر سامنے آگئی کہ قرآن کی رو سے عالم حجروں اور مجبوروں میں تیار نہیں ہوتے۔ مظاہر فطرت کی تجربہ گاہوں اور انفس و آفاق کے معملوں میں پرورش پاتے اور پروان چڑھتے ہیں۔

پرویز صاحب کی طبیعت کراچی سے روانگی کے وقت ہی ناساز تھی۔ سفر کی صعوبت اور بعد کی شبانہ روز مصروفیات ہکی شدت میں اضافہ کرتی گئیں لیکن کام کی اہمیت اس پر غالب آتی رہی۔ اب جو معاملہ دور تک پہنچ گیا تو قانون طبعی نے مزید مہلت نہ دی۔ ناچار باقی پروگرام کو منسوخ کرکے کچھ دنوں کے لئے لاہور آرام کرنا پڑا۔ اس کے بعد جب وہ سفر کے قابل ہوگئے تو بذریعہ ہوائی جہاز کراچی واپس آگئے۔

ان سطور کے لکھتے وقت ان کی صحت بحمداللہ نسبتاً اچھی ہے اور انھوں نے پھر اپنا کام شروع کردیا ہے۔ انھیں باقی احباب کے "قرض" کا احساس ہے جسے وہ اپنی اولین فرصت میں اتارنے کی کوشش کریں گے۔

یہ ہے مختصر سی روئداد قرآنی تحریک کے سلسلے میں اس سالانہ سفر کی جسے متفرق یادداشتوں کی مدد سے مرتب کیا گیا ہے۔ اس میں اگر کوئی اہم واقعہ قلمبند ہونے سے رہ گیا ہو یا کسی دوست کی کوئی قابل ذکر خدمت نظر انداز ہوگئی ہو تو اس کے لئے راقم الحروف معذرت خواہ ہے۔ ہم جہاں گرد، نظم و ضبط کی پابندیوں کے زیادہ خوگر نہیں ہوتے۔

والسلام

قراردادیں

قراردادیں (ریزولیوشنز) جو طلوع اسلام کی دوسری کنونشن (منعقدہ راولپنڈی) میں باتفاق رائے منظور ہوئیں۔

۱۔ پیش کردہ بزم طلوع اسلام۔ لائلپور

حکومت سے مطالبہ کیا جائے کہ وہ پاکستان ریڈیو سے محترم پرویز صاحب کے درس قرآن کے نشر کرنے کا انتظام کرے۔

۲۔ پیش کردہ۔ بزمہائے پشاور شہر و چھاؤنی۔ مردان و سوات

چونکہ محترم پرویز صاحب کی گرانقدر تصانیف، لغات القرآن اور مفہوم القرآن کا جلد از جلد طبع ہو جانا اشد ضروری ہے۔ اس لئے تجویز کیا جاتا ہے کہ مختلف بزمہائے طلوع اسلام، رضاکارانہ طور پر، ایک خاص رقم کی فراہمی کا انتظام کریں۔ اور اپنے اس فیصلہ کا اعلان کنونشن ہی میں کریں۔ یہ رقوم براہ راست ناظم ادارہ طلوع اسلام کراچی کو بھیجی جائیں جو اسے مندرجہ صدر تصانیف کی طباعت کے سلسلہ میں صرف کریں۔ اور اس کی رپورٹ آئندہ کنونشن میں پیش کریں۔

[نوٹ:۔ اس قرارداد کی منظوری کے بعد، مختلف بزموں نے اور متفرق احباب نے اپنے اپنے وعدوں کا اعلان کیا ان میں کچھ رقوم نقد وصول ہو گئیں اور بقایا کے متعلق وعدہ ہوا کہ انہیں ایک سال کے اندر اندر پورا کر دیا جائے گا۔ اس بات پر زور دیا گیا کہ یہ وعدے ایک سال کی مدت تک نہیں اٹھا رکھنے چاہئیں بلکہ جس قدر جلد ممکن ہو انہیں ایفا کر دینا چاہیئے۔ ان وعدوں اور نقد ادائیگی کی فہرست الگ شائع کی جا رہی ہے]

۳۔ پیش کردہ۔ بزم طلوع اسلام۔ جھنگ

بزم طلوع اسلام کراچی کے زیر اہتمام جو عربی کلاس کراچی میں کھولی گئی تھی اس کا کورس شائع کیا جائے تاکہ اس کے مطابق

دیگر مقامات میں بھی عربی زبان کی تحصیل کے لئے جماعتیں کھولی جائیں۔

۴۔ پیش کردہ۔ بزم طلوع اسلام۔ کوئٹہ

مختلف بزموں کے افراد جب دوسرے مقامات میں جائیں تو انہیں چاہیئے کہ وہاں بزم طلوع اسلام کے اراکین سے رابطہ پیدا کریں۔ تاکہ باہمی تعارف اور میل جول سے تعلقات میں استحکام پیدا ہو اور اس طرح قرآنی پیغام کی نشر و اشاعت کی نئی نئی راہیں سامنے آئیں۔

۵۔ پیش کردہ۔ بزم طلوع اسلام۔ پشاور

یہ کنونشن، مفکر قرآن محترم پرویز صاحب کی لاء کمیشن میں شمولیت پر اظہار اطمینان کرتا ہے اور صدر مملکت۔ وزیر اعظم حکومت پاکستان اور چیرمین لاء کمیشن کے حسن انتخاب پر انھیں مستحق مبارک باد سمجھتا ہے۔

نیز قرار پایا کہ اس ریزولیوشن کی نقول، صدر مملکت۔ وزیر اعظم اور چیرمین لاء کمیشن کو بھیجی جائیں۔

۶۔ پیش کردہ۔ بزم کراچی

بزم طلوع اسلام، راولپنڈی نے جس خلوص و محبت سے کنونشن کے انعقاد کا بیڑہ اٹھایا اور جس جانفشانی اور تن دہی سے اس کے انتظامات کو بحسن و خوبی سرانجام دیا اس کے لئے بزم کے صدر اور اراکین کی خدمت میں ہدیۂ سپاس گذاری پیش کیا جاتا ہے۔

۷۔ پیش کردہ۔ بزم راولپنڈی

جن مختلف بزموں نے (بالخصوص بزم طلوع اسلام لاہور، اور اس کے نمائندہ خصوصی محترم چوہدری عبدالرحمن صاحب نے) کنونشن کو کامیاب بنانے میں سرگرمی سے حصہ لیا ہے، ان کی خدمت میں ہدیۂ تشکر پیش کیا جائے۔ نیز جملہ شرکائے کنونشن نے جس برادرانہ مودّت سے باہمی تعاون کا ثبوت دیا ہے اور بارش وغیرہ کی وجہ سے جو انتظامی اسقام پیدا ہو گئے تھے ان کا جس خندہ پیشانی سے استقبال کیا ہے۔ ان کی بنا پر ان کا دلی شکریہ ادا کیا جائے۔

۸ پیش کردہ۔ بزم راولپنڈی

کنونشن کے انعقاد کے سلسلہ میں محترم شیخ ریاض الحسن صاحب نے جو انتظامی سہولتیں بہم پہنچائی ہیں اور جس فراخ حوصلگی اور

وسعتِ قلب سے اپنے آرام اور کام پر مہمانوں کے آرام کو ترجیح دی ہے۔ اس کے لئے ان کی خدمت میں ہدیۂ سپاس گذاری پیش کیا جائے۔

۹- پیش کردہ۔ بزم لاہور

سالانہ کنونشن کے لئے ایک کنونشن کمیٹی مقرر کی جائے جو قبل از وقت جملہ عناصر کو سامنے رکھ کر اس امر کا فیصلہ کرے کہ آئندہ کنونشن کہاں منعقد ہوگی۔ کنونشن کے جملہ انتظامات اس کمیٹی کے سپرد ہوں۔ یہ کمیٹی مقامی احباب کی انتظامی صلاحیتوں اور ذرائع کو مناسب مصرف میں لائے۔

سال آئندہ کے لئے اس کمیٹی کی صدارت کے لئے محترم چوہدری عبدالرحمٰن صاحب (لاہور) کو منتخب کیا گیا۔ اور کمیٹی کے اراکین کی نامزدگی ان کی صوابدید پر چھوڑی گئی۔ آئندہ کنونشن کے لئے ضروری اقدامات کی تحریک چوہدری صاحب کی طرف سے ہوگی۔

۱۰- پیش کردہ۔ ناظم ادارہ طلوعِ اسلام

جملہ اراکین بزمہائے طلوعِ اسلام پر اس امر کی اہمیت کو بار دیگر واضح کیا جائے کہ وہ اپنے فکر و عمل اور سیرت و کردار میں اس قسم کی تبدیلی پیدا کریں جس سے ہر دیکھنے والا ایک نظر محسوس کرے کہ قرآنی پیغام کے داعی کی زندگی ایسی ہوتی ہے نیز وہ ہر ایسی بات سے سخت پرہیز کریں جس سے فرقہ بندی یا گروہ سازی کا کسی قسم کا شائبہ پایا جائے۔

۱۱- پیش کردہ۔ بزم کراچی

یہ کنونشن تہیہ کرتی ہے کہ وہ آئندہ سال میں قرآنی فکر کی نشر و اشاعت کے لئے اپنی مساعی اور سرگرمیوں کو تیز سے تیز تر کرے گی۔ لیکن اس کے لئے کوئی ایسا ذریعہ اختیار نہیں کرے گی۔ جو قرآن کی رو سے جائز نہ ہو۔

قرآنی فیصلے

روزمرہ زندگی کے ساٹھ اہم مسائل و معاملات پر قرآن ہمیں کیا راہ نمائی دیتا ہے اور ہم کیا کر رہے ہیں۔ دین کے متعلق پُرازمعلومات اور حقیقت کشا کتاب ہے۔ ۴۰۸ صفحات۔ قیمت چار روپے۔

پیشکش برائے طباعت لغات القرآن و مفہوم القرآن

(مصنفہ:- محترم پرویز صاحب)

منجانب بزمہائے طلوع اسلام

وعدہ کنندہ	نام بزم	وعدہ	رقم موصولہ تا ۲۳ نومبر ۵۷ء
جناب محمد اسلم صاحب	قصور	۱۰۰ روپے	
جناب سراج الدین صاحب	قادر آباد	۱۰۰ "	
جناب صمداد خان صاحب	ہنگو (کوہاٹ)	۱۰۰ "	
جناب عبدالغفور محسن صاحب	کوئٹہ	۱۵۰ "	
جناب حافظ شاد حسین صاحب	ٹنڈو محمد خاں	۲۰۰ "	
جناب نہال خان صاحب	جام پور	۲۰۰ "	
جناب غلام جیلانی صاحب	شیخوپورہ	۲۰۰ "	
جناب عبدالجلیل صاحب	مسعید قطر	۹۰۰ "	
جناب محمد رفیق صاحب	قاضیان	۳۰۰ "	
جناب مشتاق احمد صاحب	ڈیرہ غازی خان	۲۵۰ "	
جناب گلزار حسین صاحب	لائلپور	۵۰۰ "	
جناب عبدالحکیم صاحب	مردان	۱۰۰۰ "	
جناب نصراللہ خان صاحب	سرگودھا	۵۰۰ "	
جناب ظفر عباس صاحب	جھنگ	۵۰۰ "	
جناب مرزا علی احمد صاحب	پشاور	۲۰۰۰ "	
جناب غلام ربانی صاحب	ٹیکسلا	۵۰ "	
جناب بخت جمال خان صاحب	سیالکوٹ	۵۰۰۰ "	۱۰۰۰ روپے
جناب ڈاکٹر حبیب الرحمن خان صاحب	کراچی	۵۵۰۰ "	۵۵۰۰ "
جناب محمد اکبر صاحب	ڈیرہ [illegible]	۲۰۰ "	۵۰ "
جناب عدالت حسین صاحب	ایبٹ آباد	۲۰۰ "	
جناب محمد اختر صاحب	واہ چھاؤنی	۶۷۵ "	۱۷۵ "
جناب محمد گل صاحب	لاڑکانہ	۲۷۵ "	۲۵ "
جناب عطا محمد صاحب	پنج گسی	۲۰۰ "	
جناب مسعود احمد صاحب	سید حسین (جہلم)	۷۰ "	۳۰ "
جناب زبیر عزیز صاحب	اوکاڑہ	۱۰۰۰ "	
جناب محمد اسمٰعیل صاحب	گوجرانوالہ	۲۰۰ "	
میزان:-		۲۰۳۷۰	۶۷۸۰

انفرادی پیشکش

پیش کنندہ	مقام	وعدہ	رقم موصولہ تا ۲۳ نومبر ۱۹۵۷ء
جناب ڈاکٹر انور علی صاحب	مردان	۵۰۰ روپے	
جناب روشن خان صاحب	کراچی	۲۰۰۰ ″	
جناب عبد الرؤف صاحب	جلالپور جٹاں	۵۰ ″	۵۰ روپے
جناب مغوث اللہ خان صاحب	سیالکوٹ	۱۰ ″	۱۰ ″
جناب حافظ شاہ حسینی صاحب	ٹنڈو محمد خاں	۵۰ ″	۵۰ ″
جناب ڈاکٹر رضا محمد خان صاحب	مردان	۵۰۰ ″	
جناب الحاج لالہ حفیظ جان اللہ سہری صاحب	منجانب مردان	۱۰۰۰ ″	
جناب فضل کریم صاحب	مردان	۱۰۰ ″	
جناب حاجی فقیر محمد صاحب	مردان	۱۰۰۰ ″	
جناب عبد اللہ خان صاحب	گوجرہ	۲۰۰ ″	
جناب خواجہ رسول صاحب	پنڈدادنخاں	۱۰۰ ″	
جناب محمد شفیع صاحب	کراچی	۲۵۰۰ ″	۲۵۰۰ ″
جناب محمد افضل صاحب	کراچی	۵۰۰ ″	۵۰۰ ″

پیش کنندہ	مقام	وعدہ	رقم موصولہ تا ۲۳ نومبر ۱۹۵۷ء
جناب شیخ امین صاحب	کراچی	۵۰۰ روپے	۵۰۰ روپے
جناب حافظ برکت اللہ صاحب	کراچی	۵۰۰ ″	۵۰۰ ″
جناب شتاق حسین صاحب	کراچی	۵۰۰ ″	۵۰۰ ″
جناب محمد حنیف صاحب	کراچی	۵۰۰ ″	۵۰۰ ″
جناب ڈاکٹر یوسف علی صاحب	پشاور	۱۰۰ ″	۱۰۰ ″
جناب عبد الکریم صاحب	بمیں آباد	۱۰۰ ″	۱۰۰ ″
جناب صوبیدار قاضی محمد رفیق صاحب	قاضیاں	۱۰ ″	۱۰ ″
جناب میر تجمل حسین صاحب	جھنگ	۱۰۰۰ ″	مقدمہ کے فیصلہ پر
جناب محمد فاضل صاحب	راولپنڈی	۱۰۰ ″	۱۰۰ روپے
جناب گل نواز خان صاحب	ڈنڈوت	۲۰۰ ″	۲۰۰ ″
میزان		۱۲۰۲۰	۵۶۲۰
میزان کل		۳۲۳۹۰	۱۲۴۰۰

چونکہ لغات القرآن اور مفہوم القرآن کی کتابت وطباعت وغیرہ کا کام اسی وقت شروع کیا جا سکتا ہے جب موعودہ رقوم اطمینان بخش حد تک موصول ہو جائیں۔ اس لئے احباب اور بزموں سے درخواست ہے کہ وہ اپنے وعدوں کے ایفاء میں جلدی کریں انھیں کنونشن تک نہ اٹھا رکھیں۔ موصول شدہ رقوم کی تفصیل ہر ماہ طلوع اسلام میں شائع ہوتی رہے گی۔

مفت مجرب دوائی دمہ

حاجی محمد دین۔ شیخ آرٹس فیکٹری۔ متصل گنیش کھوپرا ملز۔ لارنس روڈ۔ کراچی۔

فہرست شرکاء

(مندوبین اور مبصرین جو کنونشن میں شریک ہوئے)

نوٹ:- ضلع۔ مقام یا احباب کے ناموں میں کسی خاص ترتیب کو ملحوظ نہیں رکھا گیا۔

آزاد کشمیر

۱ نذیر احمد صاحب (پونچھ)
۲ محمد رفیق خاں صاحب "

ضلع پشاور

۳ مرزا علی احمد صاحب
۴ میاں یوسف علی ضیاء صاحب
۵ محمد رب نواز صاحب
۶ مفتی فضل رازق صاحب
۷ عبد المجید صاحب
۸ قمر الدین صاحب
۹ ظہور الدین صاحب

تھرپارکر

۱۰ عبدالکریم صاحب (چک ۲۷/الف)

ضلع جہلم

۱۱ مسعود احمد خاں صاحب (سید حسین)
۱۲ امیر حسین شاہ صاحب "
۱۳ محمد حسین شاہ صاحب "
۱۴ میاں عبداللہ صاحب (دینہ)
۱۵ غلام رسول صاحب (پنڈدادنخاں)

ضلع جھنگ

۱۶ ظفر عباس قریشی صاحب
۱۷ میر تجمل حسین صاحب
۱۸ مستری کریم بخش صاحب (چنیوٹ)
۱۹ سید حامد شاہ صاحب "
۲۰ نور محمد صاحب "
۲۱ چوہدری چراغ محمد عابد صاحب "
۲۲ مستری غلام محمد صاحب "
۲۳ رائے محمد خاں خالد صاحب (دکری)
۲۴ عبدالحق صاحب

ضلع ڈیرہ اسمٰعیل خاں

۲۵ پروفیسر محمد نذیر چوہدری ایم ایس سی

ضلع ڈیرہ غازی خاں

۲۶ مشتاق احمد چغتائی صاحب
۲۷ میاں عطاء اللہ صاحب بی اے

ضلع راولپنڈی

۲۸ چوہدری بشیر احمد سوی صاحب
۲۹ میاں فیروز علی بھٹی صاحب
۳۰ محمد حنیف صاحب
۳۱ جی۔ ایچ۔ شاد صاحب
۳۲ قدرت اللہ صاحب

۳۳ آصف حسین صاحب

۳۴ محمد اقبال صاحب

۳۵ ظہور الحق مرزا صاحب

۳۶ محمد دین صاحب

۳۷ ایم یوسف مرحدی صاحب

۳۸ محمد نذیر بٹ صاحب

۳۹ عبدالحمید صاحب

۴۰ یوسف شاہ بخاری صاحب

۴۱ عزیز احمد قریشی صاحب

۴۲ رحمت اللہ صاحب

۴۳ این۔ ایم۔ نیازی صاحب

۴۴ میاں فیض محمد صاحب

۴۵ نذیر صدیقی صاحب

۴۶ خواجہ عبدالرزاق صاحب

۴۷ محمد عبداللہ صاحب

۴۸ چوہدری صدیق صاحب

۴۹ محمد شریف صاحب

۵۰ مولا بخش صاحب

۵۱ سید الیف شاہ گردیزی صاحب

۵۲ پنشنر صوبیدار نور خاں صاحب (کوٹلی ستیاں)

۵۳ غلام ربانی صاحب (ٹیکسلا)

ضلع سرگودھا

۵۴ چوہدری نصر اللہ خاں صاحب چک شمالی

۵۵ چوہدری الطاف حسین صاحب "

۵۶ چوہدری محمد نواز صاحب چک شمالی

۵۷ راجہ محرم علی صاحب "

ریاست سوات

۵۸ ایس ایم ابوطاہر صاحب (منگورہ)

ضلع سیالکوٹ

۵۹ خان بخت جہاں خاں صاحب

۶۰ پروفیسر محمد دین بھٹی صاحب

۶۱ حاکم دین صاحب

۶۲ سید غلام رسول صاحب

۶۳ چوہدری بشارت علی صاحب باجوہ (چونڈہ)

۶۴ قریشی محمد رفیق صاحب (رچی شیخاں)

۶۵ ایم یعقوب محمود صاحب

۶۶ سلطان احمد صدیقی صاحب

۶۷ مبعوث اللہ خاں صاحب

۶۸ محمد سبحانی صاحب

۶۹ ماسٹر نیاز محمد صاحب (مرادپور)

ضلع شیخوپورہ

۷۰ حکیم رحمت علی صاحب

۷۱ غلام جیلانی صاحب

کراچی

۷۲ عبدالرب صاحب

۷۳ ڈاکٹر حبیب الرحمٰن صاحب

۷۴ حافظ برکت اللہ صاحب

۷۵ قاضی محمد اکبر صاحب ایڈووکیٹ

۷۶ نعمت اللہ خاں صاحب

۷۷ خورشید علی خاں صاحب

۷۸ نذر محمد بھٹی صاحب

۷۹ سید عبدالعزیز شاہ صاحب

۸۰ حاجی محمد حنیف صاحب

۸۱ شیخ محمد شفیع صاحب

۸۲ مرزا محمد افضل صاحب

۸۳ مولوی فیروز الدین صاحب

۸۴ محمد اسلام صاحب

۸۵ فضل محمد سبحانی صاحب

۸۶ وزیر محمد صاحب

۸۷ شمس الدین صاحب

۸۸ ملک محمد حیات صاحب

۸۹ ہارون الرشید صاحب

ضلع کوہاٹ

۹۰ خداداد خاں صاحب بی اے (ہنگو)

۹۱ سرور علی شاہ صاحب "

۹۲ عبدالشہید خاں صاحب "

۹۳ مستان شاہ صاحب "

۹۴ محمد واصل صاحب (کرک)

کوئٹہ

۹۵ عبدالغفور محسن صاحب

ضلع کیمبل پور

۹۶ محمد اختر خاں صاحب (واہ کینٹ)
۹۷ محمد شفیع خاں صاحب //
۹۸ اقبال محمد صاحب //
۹۹ محمد حامد خاں صاحب //
۱۰۰ محمد ابراہیم صاحب //
۱۰۱ اشفاق احمد صاحب //
۱۰۲ حکیم فضل الحق صاحب (جھنڈ)
۱۰۳ محمد دین صاحب (گرہتی فخانہ)
۱۰۴ سکندر دین صاحب (پہلو)
۱۰۵ غلام جیلانی صاحب (واہ کینٹ)
۱۰۶ سلیم صاحب //
۱۰۷ شاہی صاحب //
۱۰۸ رفیق محمد خاں صاحب //

ضلع گجرات

۱۰۹ محمد حسین صاحب
۱۱۰ چوہدری محمد اکبر صاحب (دینہ منڈی)
۱۱۱ ملک اللہ دتہ صاحب //
۱۱۲ ملک محمد صدیق صاحب //
۱۱۳ چوہدری سردار علی صاحب //
۱۱۴ چوہدری رحمت خاں صاحب //
۱۱۵ محمد انور صاحب //
۱۱۶ چوہدری احمد علی صاحب //
۱۱۷ محمد اشرف صاحب (دینہ منڈی)
۱۱۸ چوہدری اکبر علی صاحب //
۱۱۹ چوہدری فیروز خاں صاحب //
۱۲۰ سراج الدین صاحب (قادر آباد)
۱۲۱ امان اللہ خاں صاحب //
۱۲۲ عبدالرؤف صاحب (جلالپور جٹاں)
۱۲۳ میر علاؤ الدین صاحب //

گوجرانوالہ

۱۲۴ حاجی عبدالعزیز صاحب
۱۲۵ خواجہ محمد حسین صاحب
۱۲۶ میاں محمد اسمٰعیل صاحب مسلم
۱۲۷ ڈاکٹر میر حبیب اللہ صاحب

لاڑکانہ

۱۲۸ محمد گل صاحب

ضلع لاہور

۱۲۹ ایم۔ ڈی مرزا صاحب
۱۳۰ چوہدری عبدالرحمٰن صاحب
۱۳۱ عبداللطیف نظامی صاحب
۱۳۲ چوہدری افتخار احمد صاحب
۱۳۳ حافظ ریاض احمد صاحب
۱۳۴ چوہدری رشید احمد صاحب
۱۳۵ لالہ یعقوب صاحب
۱۳۶ امیر الدین صاحب
۱۳۷ شریف الدین صاحب
۱۳۸ صمد الدین صاحب
۱۳۹ عبدالکریم صدیقی صاحب
۱۴۰ سراج الحق صاحب
۱۴۱ ڈاکٹر احمد حسن صاحب
۱۴۲ خواجہ محمد اسلم صاحب
۱۴۳ صوفی عنایت اللہ صاحب
۱۴۴ حافظ سردار بیگ صاحب
۱۴۵ سردار خاں صاحب
۱۴۶ بشیر خاں صاحب
۱۴۷ مسعود حسن صاحب (قصور)
۱۴۸ محمد اسلم صاحب //

ضلع لائلپور

۱۴۹ گلزار حسین صاحب
۱۵۰ چوہدری عبداللہ صاحب
۱۵۱ چوہدری نذیر احمد صاحب
۱۵۲ ملک محمد شفیع صاحب
۱۵۳ میاں محمد اشرف صاحب
۱۵۴ صوبیدار یوسف علی صاحب

ضلع مردان

۱۵۵ عبدالحکیم خاں صاحب
۱۵۶ ڈاکٹر رضا محمد خاں صاحب

۱۵۷ عبداللطیف صاحب

۱۵۸ سید نذیر صاحب

۱۵۹ محمد امین صاحب (تخت بائی)

۱۶۰ فضل کریم مہاجر

۱۶۱ حکیم محمد فضل خالق صاحب (چارباغ)

۱۶۲ سردار الدین صاحب "

۱۶۳ محمد شعیب خاں صاحب "

۱۶۴ رضوان اللہ صاحب "

۱۶۵ محمد دین صاحب (چارباغ)

ضلع ملتان

۱۶۶ حکیم قمرالزماں صاحب ثقلین جلا جیم (تحصیل میلسی)

۱۶۷ ماسٹر عطا محمد صاحب علوی (دیج کسی)

ضلع منٹگمری

۱۶۸ غلام احمد خاں صاحب جالندھری

۱۶۹ چوہدری عطاء اللہ صاحب بی اے ایل ایل بی

۱۷۰ سردار عبدالعلیم صاحب

۱۷۱ زبیر عزیز صاحب (اوکاڑہ)

ضلع ہزارہ

۱۷۲ عدالت حسین صاحب (ایبٹ آباد)

۱۷۳ سید محمد صادق صاحب "

۱۷۴ عبداللطیف صاحب "

رابطۂ باہمی

راولپنڈی کنونشن کے موقع پر ابتدائی بزموں کے نمائندگان کے جلسہ میں باہمی مشاورت سے چند اصولی ہدایات طے پائی تھیں جو بزم ہائے طلوعِ اسلام کے نظم و ضبط کے لئے ضروری ہیں یہ ہدایات نومبر ۵۷ء کے طلوعِ اسلام میں شائع ہو چکی ہیں جلسہ مذکور نے ادارہ کے ذمہ یہ فرض عاید کیا تھا کہ وہ فارم رکنیت چھپوا کر تمام ابتدائی بزموں کو مہیا کر دے تاکہ نمائندگان جملہ ارکان بزم کو اصولی ہدایات سمجھا دیں اور جو صاحب بزم کا رکن بننا چاہیں وہ فارم پر دستخط کر دیں کیونکہ فارم پر دستخط کئے بغیر کوئی صاحب بزم کے رکن متصور نہیں ہوں گے۔ ادارہ نے فارم رکنیت مع اصولی ہدایات چھپوا کر وسط نومبر میں بذریعہ رجسٹری بزموں کو بھیج دیئے تھے۔ توقع ہے کہ نمائندگان نے اپنی اپنی بزم کے جملہ ارکان سے فارم پر کرا کے اپنے ترجمان کو بھیج دیئے ہونگے۔ اگر کسی مقام پر تا حال ایسا نہیں ہو سکا ہے تو مطلوبہ کارروائی فوراً کر لی جائے۔ پُر شدہ فارم ابتدائی بزم کی تحویل میں رہینگے۔ اور ارکان کی فہرست مع پتہ اور ماہوار چندہ، ترجمان کی وساطت سے ادارہ کو بھیج دی جائیگی۔ فہرست بھیجتے ہیں ترجمان صاحبان بزم متعلقہ کو تسلیم کرنے یا نہ کرنے کے بارے میں اپنی رائے کا بھی اظہار کریں گے جن بزموں کو ادارہ تسلیم کریگا ان کے نام طلوعِ اسلام میں شائع کر دیئے جائیں گے اور ادارہ کی طرف سے یہ اعلان کسی بزم کے مسلمہ ہونے کی ضمانت ہوگا۔ ابتدائی بزموں کے نمائندگان فہرست ارکان اپنے اپنے ترجمان کو ۵ر دسمبر تک ضرور پہنچا دیں اور ترجمان صاحبان فہرستیں اور اپنی رائے اس انداز سے ادارہ کو بھیجیں کہ وہ کراچی ۲۰ر دسمبر سے پہلے ضرور پہنچ جائیں۔ پابندی وقت بہت ضروری ہے تاکہ تسلیم شدہ بزموں کے نام جنوری ۵۸ء کے طلوعِ اسلام میں شامل ہو جائیں۔

(۲) بزموں کی کارروائی کی روئداد بھی ادارہ کو ہر ماہ کی پندرہ تاریخ تک پہنچنی ضروری ہے تاکہ طلوعِ اسلام کی اگلی اشاعت میں اسے شائع کیا جا سکے یہ اسی صورت میں ممکن ہے کہ نمائندگان اپنی روئداد دس تاریخ کے قریب اپنے اپنے ترجمان کو بھیج دیں اور وہ بعجلت اسے ادارہ کو روانہ کر دیں۔

ناظم ادارہ طلوعِ اسلام۔

مجلسِ اقبال

مثنوی رموزِ بیخودی - رکن دوم - رسالت

ملت اسلامیہ کے ارکانِ اساسی میں سے پہلا رکن توحید ہے جس کے متعلق علامہ اقبال نے سابقہ باب میں تفصیل سے گفتگو کی تھی۔ توحید سے مقصود یہ ہے کہ انسان صرف قوانین خداوندی کی اطاعت کرے اور کائنات میں کسی اور کے سامنے نہ جھکے۔ نہ خارجی کائنات کی کسی قوت کے سامنے اور نہ کسی انسان کے سامنے۔

ان اساسی ارکان میں سے دوسرا رکن رسالت ہے۔ "مذہب" کا تصور یہ ہے۔ (دین کا نہیں بلکہ مذہب کا) کہ مذہب خدا اور بندے کے درمیان ایک پرائیویٹ تعلق کا نام ہے۔ انسان دنیا کے دھندوں سے یکسو ہو کر کچھ وقت کے لئے خدا سے اپنا تعلق قائم کرے اسی کا نام روحانیت ہے۔ یہی مذہب کا مقصود ہے۔ لیکن دین کا تصور اس سے یکسر مختلف ہے۔ اس تصور کی رو سے انسانی زندگی کا مقصود قوانینِ خداوندی کی اطاعت ہے۔ یہ قوانین وحی کی رو سے ملتے ہیں۔ ان کی اطاعت اپنے اپنے طور پر پرائیویٹ طریق سے نہیں کی جاتی بلکہ اجتماعی طور پر ایک نظام کی تشکیل میں کی جاتی ہے۔ رسول اس نظام کی تشکیل کرتا ہے۔ اور اسکے ذریعہ افرادِ امت سے قوانینِ خداوندی کی اطاعت کراتا ہے۔ لہذا افراد کو ایک امت میں تبدیل کرنے کا ذریعہ رسالت ہے۔ اسی سے ان میں ایک نظم و ضبط پیدا ہوتا ہے۔ اسی سے وہ انفرادی زندگی کے بجائے اجتماعی زندگی بسر کرنے کے قابل ہوتے ہیں۔ لہذا توحید کے بعد ملتِ اسلامیہ کا دوسرا رکن رسالت ہے۔ واضح ہے کہ نبوت (یعنی خدا سے وحی پانے کا منصب) تو نبی اکرمؐ کی وفات سے ختم ہو گیا۔ لیکن فریضۂ رسالت یعنی وحی کے مطابق نظامِ معاشرہ کی تشکیل کا فریضہ حضورؐ کے بعد بھی جاری رہ سکتا ہے۔ اسے خلافت علیٰ منہاج رسالت کہا جاتا ہے۔

زیرِ نظر عنوان میں علامہ اقبال بتلاتے ہیں کہ دین کے نظام میں رسالت کا فریضہ کس قدر اہمیت رکھتا ہے۔ اس گفتگو کی ابتدا وہ حضرت ابراہیمؑ کے تذکارِ جلیلہ سے کرتے ہیں جن کے دل میں سب سے پہلے امت کا خیال پیدا ہوا۔ یعنی توحید پرستوں کے لئے انفرادی زندگی کے بجائے اجتماعی زندگی کا تصور۔ اس ضمن میں وہ لکھتے ہیں۔

تارکِ آفل براہیمِ خلیل
انبیاء را نقشِ پائے او دلیل

حضرت ابراہیم جنھوں نے اعلانیہ کہدیا تھا کہ میں کسی تغیر آشنا ہستی کے سامنے جھکنے کے لئے تیار نہیں ہوں (۶/۷۶) میں صرف اُس خدا کے قوانین کی اطاعت کروں گا جس نے اس تغیر پذیر کائنات کو پیدا کیا اور وہ خود اور اس کے قوانین غیر متبدل ہیں (۶/۷۹)۔ قرآن نے انھیں توحید پرستوں کا ابوالاباء قرار دیا ہے۔ ان کے مسلک مشرب کی اتباع کی تاکید کی ہے (۲/۱۳۵)، اور ان کی روشِ زندگی کو بہترین نمونہ (اسوۂ حسنہ) ٹھہرایا ہے (۶۰/۴)

آں خدائے لم یزل را آیتے
داشت در دل آرزوئے امتے

ان کی زندگی خدا کے غیر متبدل قوانین کی صداقت کی زندہ شہادت تھی۔ ان کے دل میں یہ تمنا بیدار ہوئی تھی کہ ان کی ذریت میں ایک ایسی امت پیدا ہو جو قوانین خداوندی کے سامنے سرِ تسلیم خم کئے ہو (۲/۱۲۹)

جوئے اشک از چشم بخوابش چکید
تا پیام وَمِنْ ذُرِّیَّتِیْ شنید

اس آرزو میں مدتوں ان کی آنکھ بیگانۂ خواب رہی اور ان کے قلب حساس کے جذبات آنسو بن بن کر ٹپکتے رہے۔ تا آنکہ اللہ نے ان کی بات سن لی اور ان سے کہا کہ وہ دنیا کے بت کدہ میں خدا کا گھر تعمیر کریں۔ جو ساری دنیا کے توحید پرستوں کا مرکز بن جائے (۲/۱۲۵) اس طرح حضور نے

بہر ما ویرانہ آباد کرد
طائفے ایں را خانۂ بنیاد کرد

اس وادی غیر ذی زرع (بے برگ و گیاہ صحرا) میں ایک ایسا گھر بنا دیا جو ان لوگوں کے لئے جو نوع انسانی کی بہبود کا فریضہ ادا کرنے کا عزم رکھتے ہوں، تمام دنیا میں ایک محسوس مرکز بن گیا۔

تا ز ہے ال تُب عَلَیْنَا غنچہ بست
صورتش کار بہار ما نشست

انھوں نے (تعمیر کعبہ کے وقت) یہ دعائیں مانگی تھیں کہ وَ اَرِنَا مَنَاسِکَنَا وَتُبْ عَلَیْنَا (۲/۱۲۸) ان کی یہ دعائیں قبول ہوئیں اور جس نخل توحید کی تخم ریزی اس وادیٔ غیر ذی زرع میں کی گئی تھی وہ ہزاروں سال کی آبیاری کے بعد امت محمدیہ کی شکل میں بار آور ہوا۔

حق تعالیٰ پیکر ما آفرید
وز رسالت در تن ما جان دمید

اللہ تعالیٰ نے انسان کو پیدا کیا لیکن یہ محض ایک پیکر بے جان تھا۔ اس میں حقیقی زندگی اس ایمان کی رو سے بیدار ہوئی جو انسان

کو رسالت کی وساطت سے ملا۔ قرآن انسان کی طبعی زندگی کو حقیقی زندگی قرار نہیں دیتا۔ یہ زندگی محض حیوانی سطح کی زندگی یا نفس کی آمد و شد ہے۔ ایسے انسانی سطح کی زندگی اسی صورت میں نصیب ہو سکتی ہے جب یہ قوانین خداوندی کی صداقت پر ایمان لائے اور نظامِ خداوندی کے مطابق (جو رسول کے ہاتھوں متشکل ہوتا ہے) زندگی بسر کرے۔ قرآن نے اسی حقیقی زندگی کے متلاشیوں سے کہا ہے کہ اِسْتَجِيبُوا لِلّٰهِ وَلِلرَّسُولِ إِذَا دَعَاكُمْ لِمَا يُحْيِيكُمْ (۸/۲۴) تم اللہ اور رسول کی اس دعوت پر لبیک کہو جو تمہیں زندگی عطا کرے گی۔ لہٰذا ابن آدم کو انسانی سطح کی زندگی رسالت کی وساطت سے ملتی ہے۔

حرفِ بے صوت اندریں عالم بُدیم
از رسالت مصرعِ موزوں شدیم

ہم دنیا میں ایسے حروف کی طرح تھے جن کی کوئی آواز نہ ہو۔ (حروف الگ الگ پڑے ہوں تو ان کا کوئی مطلب ہوتا ہے نہ مفہوم) رسالت نے ان حروف میں مطالب پیدا کئے اور انہیں اس انداز سے ایک لڑی میں منسلک کر دیا کہ یہ الفاظ ایک مصرعِ موزوں کی شکل میں سامنے آگئے۔ مصرعہ منتشر الفاظ ہی کے مجموعہ کا نام ہوتا ہے۔ لیکن ان الفاظ کو جس ترتیب سے رکھا جاتا ہے اس سے ان میں ایک نئی زندگی پیدا ہو جاتی ہے۔ یہی وہ ترتیب ہے جس سے رسالت منتشر افراد کو ایک امت میں تبدیل کر کے انہیں ایک نئی زندگی عطا کر دیتی ہے۔

از رسالت در جہاں تکوینِ ما
از رسالت دینِ ما۔ آئینِ ما

دنیا میں ہماری ہستی رسالت ہی کی رہینِ منت ہے۔ ہمیں دین اور آئین سب آپ ہی کے صدقے ملا ہے۔ اگر رسالت کا واسطہ درمیان میں نہ ہوتا تو ہم (افراد) نہ ایک امت بن سکتے تھے۔ نہ ہماری زندگی کسی نظم و ضبط اور آئین و دستور کے مطابق بسر ہو سکتی تھی۔

از رسالت صد ہزار ما یک است
جزوِ ما۔ از جزوِ ما لاینفک است

یہ رسالت ہی کی وجہ سے ہے کہ ہزارہا افراد میں ایک ایسی یکجہتی اور ہم آہنگی پیدا ہو جاتی ہے جس سے یہ سب ایک وحدت بن جاتے ہیں۔ یہ وحدت ایک ایسا کُل ہوتی ہے جس کا ہر جزو (ایک ایک فرد) جزوِ لاینفک بن جاتا ہے۔ یعنی ایسا جزو کہ اگر وہ اپنی جگہ پر نہ رہے تو یہ کُل بھی باقی نہ رہے۔ اس سے امت اور افراد کا باہمی تعلق واضح ہو جاتا ہے۔ یعنی امت افراد ہی کے مجموعہ کا نام ہے لیکن افراد امت میں جذب ہو کر اپنی ہستی کھو نہیں دیتے بلکہ ایسی اہمیت اختیار کر لیتے ہیں کہ اگر ایک فرد بھی اپنے مقام پر باقی نہ رہے تو پوری کی پوری امت اپنی ہستی کھو بیٹھے۔

آنکہ شانِ اوست یہدی من یرید
از رسالت حلقہ گردِ ما کشید

سورۂ حج میں ہے وَكَذٰلِكَ اَنْزَلْنٰهُ اٰيٰتٍۭ بَيِّنٰتٍ ۙ وَّاَنَّ اللّٰهَ يَهْدِيْ مَنْ يُّرِيْدُ (۲۲/۱۶) اس طرح اللہ نے اپنے واضح قوانین نازل کر دیئے ہیں اور اللہ ہر اس شخص کو راہ نمائی دیتا ہے جو اس راہ نمائی کو لینے کا ارادہ کرے۔ افراد کا یہ ارادہ اپنی اپنی جگہ پر منتشر شکل میں ہوتا ہے۔ لیکن جب یہی افراد ایک ملت کی شکل اختیار کر لیتے ہیں تو یہ ارادہ انفرادی حیثیت چھوڑ کر اجتماعی شکل اختیار کر لیتا ہے۔ اب یہی راہ نمائی ملت کو ملتی ہے جس کی روشنی میں افراد اپنی منزلِ مقصود کی طرف بڑھتے چلے جاتے ہیں۔ ملت (اسلامی معاشرہ) سے الگ رہ کر افراد اپنی منزلِ مقصود تک پہنچ ہی نہیں سکتے۔ لہٰذا قوانینِ خداوندی کی راہ نمائی اجتماعی نظام کے اندر مشعلِ ہدایت بنتی ہے الگ رہتے ہوئے نہیں۔

حلقۂ ملت محیطِ انشراستے

مرکزِ او وادیٔ بطحاستے

ملت کا یہ حلقہ وسعت ناآشنا ہے۔ یہ ساری دنیا کو محیط ہے۔ دنیا کے جس حصے میں جو فرد اس آئیڈیالوجی کو اپنی زندگی کا نصب العین بنالے وہ اس دائرہ کے اندر آجاتا ہے۔ لیکن اس دائرہ کا مرکز کعبہ (وادیٔ بطحیٰ) ہے اور یہ ظاہر ہے کہ دائرہ اس وقت تک دائرہ ہے جب تک اس کا مرکز اپنے مقام پر قائم ہے۔ جس وقت پرکار کا پاؤں مرکزی نقطے سے الگ ہو جائے، دائرہ بگڑ جاتا ہے۔

از عمل نسبت او ملتیم

اہلِ عالم را پیام رحمتیم

ہم رسالتِ محمدیہ کی طرف نسبت رکھنے کی بنا پر ایک امت بنتے ہیں۔ اگر یہ نسبت باقی نہ رہے تو ہماری یہ ملی حیثیت بھی باقی نہ رہے۔ دنیا میں کروڑوں انسان ایسے ہیں جو خدا پر ایمان رکھتے ہیں۔ لیکن اس سے وہ ایک قوم (امت) کے افراد نہیں بن جاتے۔ وہ انفرادی زندگی بسر کرتے ہیں۔ لیکن ان میں سے جو لوگ رسالت سے نسبت رکھتے ہیں وہ ایک خاص امت کے افراد کہلاتے ہیں۔ لہٰذا دنیا میں ملی اور اجتماعی زندگی ایمان بالرسالت سے نصیب ہوتی ہے۔

رسول اللہ نوعِ انسانی (تمام اقوامِ عالم) کے لئے رحمت تھے۔ ان کی رحمۃ للعالمینی کی صفت صرف ان کی زندگی تک ہی محدود نہیں تھی۔ حضور کی وفات کے بعد یہ رحمتِ عالمینی امتِ محمدیہ کے ذریعہ ظہور میں آتی ہے۔ لہٰذا جب تک امت منہاجِ رسالت پر گامزن ہے، رسالت کے انفاس و برکات باقی ہیں۔ باقی رہتے اور آگے بڑھتے چلے جاتے ہیں۔

[illegible]

[illegible]

یہ حقیقت ہے کہ — موج ہے دریا میں اور بیرونِ دریا کچھ نہیں — لہٰذا ہماری ملی حیثیت نسبت بہ رسالتِ محمدیہ ہی سے قائم ہے۔ اگر ہم اس نسبت سے الگ ہو جائیں تو ہماری یہ اجتماعی حیثیت اسی طرح نابود ہو جائے جس طرح ایک موج سمندر سے الگ ہو کر نابود ہو جاتی ہے۔

امتش در حرز دیوارِ حرم
نعرہ زن مانند شہراں در عجم

جب تک ہم اپنے نظام کے مرکز (کعبہ) سے وابستہ ہیں، دنیا کے ہر خطرہ سے محفوظ ہیں۔ یہ امت، اسی وقت تک امت ہے جب تک یہ اپنے مرکزِ دینی سے متمسک ہے۔ اس کی زندگی۔ اس کی شان و شوکت۔ اس کی قوت و حشمت۔ اس کا دبدبہ اور جلال سب اسی وقت تک ہے۔ اپنے مرکز سے الگ ہونے سے نہ اس کی قوت و حشمت باقی رہ سکتی ہے نہ شوکت و جلال ــــ قوت و شوکت تو ایک طرف، اس کی ہستی ہی باقی نہیں رہ سکتی۔

معنیٔ حرفم کنی تحقیق اگر　　بنگری با دیدۂ صدیق اگر
قوتِ قلب و جگر گردد نبی　　از خدا محبوب تر گردد نبی

جو کچھ میں کہہ رہا ہوں تم اگر اس کے مفہوم کی تحقیق کرو اور اسے حضرت صدیق اکبرؓ کی نگاہ سے دیکھو تو تم پر یہ حقیقت بے نقاب ہو جائے گی کہ امت کے قلب و جگر کی قوت کا باعث رسالت ہوتی ہے۔

یہاں تک بات بالکل واضح ہے لیکن اگلے مصرع میں شاعرانہ غلو کیا گیا ہے جس سے مضمون، حقیقت سے پرے ہٹ گیا ہے۔ رسالت کا منصب ذریعہ قوانین خداوندی کی اطاعت کرانا ہوتا ہے۔ اس لئے محبوب و مقصود خدا ہی ہوتا ہے۔ خدا سے محبوب تر کوئی نہیں ہو سکتا۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن نے واضح الفاظ میں کہہ دیا کہ وَالَّذِينَ آمَنُوا أَشَدُّ حُبًّا لِلّٰهِ (۲/۱۶۵) ایمان والوں کے نزدیک سب سے شدید محبت اللہ کی ہے۔ اور خود نبی اکرمؐ کی زبانِ مبارک سے کہلوا دیا کہ قُلْ إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ ...... (۳/۳۰) ان سے کہدو کہ اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو میری اتباع کرو۔ (اس سے) اللہ تم سے محبت کرے گا۔ یہ نقطۂ مطلوب و مقصود، قوانینِ خداوندی کی اطاعت ہے۔
حضرت ابوبکر صدیقؓ نے ایسے موقع پر بیان کیا تھا جب اس کی وضاحت کی بڑی ضرورت تھی۔ حضورؐ کی وفات پر جب امت میں کہرام مچ گیا تو حضرت صدیق اکبرؓ برسرِ منبر تشریف لائے اور نہایت عزم و سکون سے کہا کہ اے لوگو! جو تم میں سے محمدؐ کی محکومیت اختیار کئے تھا، تو اس کا معبود وہ نبی مر گیا ہے۔ لیکن جو خدائے واحد کی معبودیت اختیار کئے تھے وہ اسے معلوم ہونا چاہیئے کہ اس کا معبود حی و قیوم ہے۔ اس کے بعد آپ نے قرآن کی وہ مشہور آیت تلاوت فرمائی جس میں کہا گیا ہے کہ وَمَا مُحَمَّدٌ إِلَّا رَسُولٌ ...... محمدؐ بجز اس کے کہ خدا کا رسول ہے اور کچھ نہیں۔ اس سے پہلے بہت سے رسول ہو گذرے ہیں سو اگر وہ وفات پا جائے یا قتل کر دیا جائے تو کیا تم اپنی روش پہلی کی طرف لوٹ جاؤ گے؟

جس امر کی وضاحت اس لئے ضروری تھی ہے کہ قرآن نے غلو فی الدین سے خاص طور پر منع کیا ہے (۴/۱۷۱)۔ دین میں ہر رکن کو اس کے صحیح مقام پر رکھنا نہایت ضروری ہے۔ جس طرح کسی رکن کو اس کے اپنے مقام سے نیچے لے جانے سے دین میں جھول پڑ جاتا ہے۔ اسی طرح کسی رکن کو اس کے مقام سے آگے بڑھا دینے سے بھی دین کا توازن قائم نہیں رہتا ہی کا صحیح مقام

ہے کہ وہ جماعت مومنین کے نزدیک ان کی اپنی جانوں سے بھی زیادہ عزیز ہے (۳۳/۶) لیکن خدا سے محبوب تر نہیں۔ اشد حبا اللہ ہی کے لئے ہے۔

اس کے بعد علامہ اقبال کہتے ہیں۔

قلبِ مومن را کتابش قوت است
حکمتش حبل الورید ملت است

وہ کتاب جو رسول اللہ پر نازل ہوئی، وہ قلب مومن کے لئے وجۂ ہزار تقویت ہے اور اس کتاب کی حکمت ملت کے لئے رگِ جان ہے۔ یعنی۔

دامنش از دست دادن مردن است
چوں گل از بادِ خزاں افسردن است

اس کتاب کے دامن کو ہاتھ سے چھوڑ دینا امت کے لئے موت ہے۔ اسے چھوڑ دینے سے صحنِ چمنِ ملت پر خزاں چھا جائے گی۔

زندگی قوم از دمِ او یافت است
ایں سحر از آفتابش تافت است

قرآن ہی وہ مسیحا نفس ہے جس سے ملت اسلامیہ کو زندگی عطا ہوتی ہے۔ اس کی سحر میں نور و حرارت اسی آفتابِ عالمتاب کے دم قدم سے ہے۔

فرد از حق۔ ملت از وے زندہ است
از شعاعِ مہرِ او تابندہ است

جیسا کہ پہلے بھی کہا جا چکا ہے، فرد کو اس کی طبعی زندگی خدا کے طبعی قوانین کی رو سے ملتی ہے۔ لیکن ملت کی زندگی کتابِ رسالت سے وابستہ ہے اس میں چمک اور دمک اسی آفتاب کی درخشندہ شعاع کی رہینِ کرم ہے۔

از رسالت ہم نوا گشتیم ما
ہم نفس۔ ہم مدعا گشتیم ما

افراد کے قوم بننے کے لئے ضروری ہے کہ ان میں یک نگہی اور یک جہتی پیدا ہو۔ ان کی آرزوئیں ایک ہوں۔ ان کے ارادے مشترک ہوں۔ ان کا مقصود و منتہیٰ اور مطلب حیات ایک ہو۔ راستہ ایک ہو۔ منزل ایک ہو۔ یہ سب اسی صورت میں ہو سکتا ہے جب ان کی آئیڈیالوجی ایک ہو۔ یہ وحدتِ فکر و نظر اور ہم آہنگی عمل و کردار کتاب اللہ کی رو سے پیدا ہوتی ہے۔ اس لئے ہماری ملت کی بنیاد رسالت پر ہے۔

کثرتِ ہم مدعا وحدت شود   پختہ چوں وحدت شود ملت شود

جب مختلف افراد کے سامنے ایک ہی مدعا و مقصد ہو تو ان میں وحدت پیدا ہو جاتی ہے۔ اور جب یہ وحدت پختہ اور مستحکم ہو جائے تو اس سے ملت متشکل ہو جاتی ہے۔

زندہ ہر کثرت ز بندِ وحدت است
وحدتِ مسلم ز دینِ فطرت است

مختلف افراد جب تک اس قسم کی وحدتِ فکر و عمل کے شیرازہ میں منسلک رہتے ہیں ان میں زندگی باقی رہتی ہے۔ امتِ مسلمہ کی یہ وحدت ان کے دین کی وجہ سے ہے۔

دینِ فطرت از نبی آموختیم
در رہِ حق مشعلے افروختیم

ہمیں یہ دین نبی اکرمؐ کی وساطت سے ملا۔ اس سے ہم نے حق کے راستے میں وہ مشعلِ ہدایت روشن کی جس سے یہ کاروانِ رشد و سعادت رواں دواں جانبِ منزل جادہ پیما ہوا۔

ایں گہر از بحرِ بے پایانِ اوست
ما کہ یک جانیم از احسانِ اوست

دین کا یہ گہر آبدار ہم نے نبوت کے سمندر سے حاصل کیا۔ ہم (افرادِ ملت) جو اس طرح مختلف پیکر اور یک جان ہوگئے ہیں تو یہ اسی کے احسان سے ہے۔

تا نہ ایں وحدت ز دست ما رود ہستیٔ ما با ابد ہمدم شود
پس خدا بر ما شریعت ختم کرد بر رسولِ ما رسالت ختم کرد

اس مقصد کے لئے کہ یہ وحدتِ دین ہمارے ہاتھ سے نہ جائے اور اس طرح امتِ محمدیہؐ ابد سے ہمکنار ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ نے نبی اکرمؐ پر نبوت کو ختم کر دیا اور آخری شریعت کو ہمارے ہاتھ میں دے دیا۔

رونق از ما محفلِ ایام را
او رسل را ختم و ما اقوام را

چونکہ قرآن کی رو سے قوم کی تشکیل دین کی وحدت سے ہوتی ہے اور آخری دین رسول اللہ کی وساطت سے امتِ محمدیہ کو دیا گیا اس لئے اب دنیا میں اقوام کا بھی خاتمہ ہوگیا۔ نبی اکرمؐ خدا کے آخری نبی۔ قرآن خدا کا آخری پیغام۔ اور امتِ مسلمہ آخری امت (یا قوم)۔ رسول اللہ کی وفات کے بعد

خدمتِ ساقی گری با ما گزاشت
داد ما را آخریں جامے کہ داشت

اللہ تعالیٰ نے خمِ دین کا آخری جام ہمارے حوالے کر دیا اور کہدیا کہ اب ساقی گری (یعنی تبلیغ دین کا فریضہ تمہارے ذمے ہے۔

نوٹ۔ مندرجہ بالا اشعار میں علامہ اقبال نے "بر رسولِ ما رسالت ختم کرد" اور "رسل را ختم وما اقوام را" لکھا ہے اس میں رسالت بمعنی نبوت اور رسول بمعنی نبی ہے۔ قرآن نے بھی رسول اور نبی کو ہم معنی استعمال کیا ہے۔ لیکن اگر اصطلاحی طور پر نبوت سے مراد لی جائے خدا سے وحی کا پانا۔ اور رسالت سے مفہوم ہو اس وحی کا آگے پہنچانا۔ تو حضورؐ (قرآن کے الفاظ میں) خاتم النبیین ہیں۔ یعنی حضورؐ پر سلسلہ نبوت ختم ہو گیا۔ اب کوئی شخص خدا سے وحی نہیں پا سکتا۔ باقی رہا اس وحی کا آگے پہنچانا اور اس کے مطابق نظام قائم کرنا۔ سو یہ فریضہ امت کے ذمے عائد کیا گیا ہے۔ اور ہمیشہ تک جاری رہے گا

اس کے بعد علامہ اقبال لکھتے ہیں۔

لا نبی بعدی ز احسانِ خداست
پردۂ ناموسِ دینِ مصطفےٰ است

حقیقت یہ ہے کہ ختم نبوت خدا کا بہت بڑا احسان ہے۔ اس سے دین بہت بڑی عظمتوں کا مالک ہو گیا ہے۔ یعنی اب کوئی ایسا نظام زندگی (دین) نہیں آ سکتا جو دینِ مصطفویؐ کی جگہ لے سکے۔ لہٰذہ کوئی امت ایسی نہیں آ سکتی جو امت محمدیہ کی جانشین ہو سکے۔ رسول اللہ کے بعد دعوے نبوت اس لحاظ سے بھی باطل ہے کہ اس سے ایک جدید دین کا ظہور اور ایک نئی ملت کی تشکیل لازمی قرار پاتی ہے۔ یہ کہنا فریب ہے کہ ایک نئے نبی سے نیا دین اور نئی امت وجود میں نہیں آتی۔

قوم را سرمایۂ قوت ازو
حفظِ سرِ وحدتِ ملت ازو

یہ ختم نبوت ہی ہے جو ملت اسلامیہ کے لئے اس قدر تقویت کا موجب ہے۔ اس میں ملت کی وحدت کا راز پوشیدہ ہے۔ جو شخص رسول اللہ کے بعد نبوت کا دعوے کرتا ہے وہ ایک نئی امت کی تشکیل کرتا ہے۔

حق تعالیٰ نقشِ ہر دعوے شکست
تا ابد اسلام را شیرازہ بست

ختم نبوت سے اللہ تعالیٰ نے ہر مدعیٔ باطل کے دعوے کو توڑ کر رکھدیا اور اسلام کو ابد تک رشتہ باندھ دیا۔

دل ز غیر اللہ مسلماں بر کند
نعرۂ لا قوم بعدی می زند

مسلمان اس حقیقت سے واقف ہے کہ خدا کا آخری اور مکمل دین، اسلام ہے۔ اس حقیقت کے اعتراف سے، وہ ہر غیر خداوندی نظریۂ زندگی سے منہ موڑ لیتا ہے اور پورے حتم و یقین سے دنیا میں یہ نعرہ بلند کرتا ہے کہ دنیا میں اسلام کے بعد کوئی اور دین ہو سکتا ہے۔ نہ امت مسلمہ کے بعد کوئی اور قوم۔

کتنا بلند ہے یہ دعویٰ اور کس قدر برگزیدہ ہے وہ قوم جو اس دعوے کی علمبردار ہو۔ وکذٰلک جعلنٰکم امۃ وسطاً لتکونوا شھداء علی الناس ویکون الرسول علیکم شھیداً۔

درمعنیٔ ایں کہ مقصودِ رسالتِ محمدیہ تشکیل و تاسیسِ حریت و مساوات و اخوتِ بنی نوعِ آدم است

گزشتہ صفحات میں ہم دیکھ چکے ہیں کہ اسلام کی رُو سے مسلمانوں کو ایک جماعت۔ ایک قوم۔ ایک امت بن کر رہنا ہے۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ دنیا میں اور قومیں بھی ہیں۔ اُن میں اور اس قوم میں جو دین کی بنیاد پر متشکل ہوگی۔ فرق کیا ہے؟ ان میں بنیادی فرق یہ ہے کہ دنیا میں ہر قوم کا مطمحِ نگاہ اپنی قوم کی فلاح و بہبود ہوتا ہے۔ سب سے بڑا قوم پرست اور محبِ وطن وہ ہے جو دوسری قوموں کو لوٹ کھسوٹ کر اپنی قوم کی خوشحالی اور فارغ البالی کا سامان پیدا کرے۔ قومیت کے نظریے نے نوعِ انسانی کو مختلف گروہوں اور ٹکڑوں میں تقسیم کر رکھا ہے۔ اور ان میں سے ہر گروہ دوسرے گروہ کے ساتھ برسرِ پیکار ہے۔ اس کے برعکس ملتِ اسلامیہ، جو رسالتِ محمدیہ (قرآن کی ابدی تعلیم کی بنیادوں) پر متشکل ہوتی ہے، اس کا نصب العین حیات یہ ہے کہ تمام نوعِ انسانی کو ہر قسم کی غلامی سے چھڑا کر انہیں صحیح آزادی۔ مساوات اور اخوت کا پیغام دے۔ اس امت کا فریضہ پورے عالمِ انسانی کی ربوبیت (نشوونما) ہے۔ اس میں نہ کسی ملک کی تمیز ہے نہ قوم کی۔ نہ کسی نسل کی تخصیص ہے نہ زبان کی۔ اس کے نزدیک ہر فرزندِ آدم، خواہ وہ کسی قوم یا نسل۔ ملک یا مذہب سے متعلق ہو، بہ حیثیت ابنِ آدم واجب التکریم ہے۔ حریتِ فکر و نظر اور قانون کی نگاہ میں مساوات اس کا بنیادی حق ہے جس سے اُسے کسی صورت میں بھی محروم نہیں کیا جاسکتا۔ امتِ مسلمہ دنیا میں انسانی حقوق کی نگہداشت کے لئے وجود میں لائی گئی تھی۔

اس حقیقت کی وضاحت کے لئے علامہ اقبالؒ پہلے یہ بتلاتے ہیں کہ بعثتِ نبی اکرمؐ سے پہلے دنیا کی کیا حالت تھی اور حضورؐ نے آکر اس میں کیا انقلاب پیدا کیا۔ پہلے کیفیت یہ تھی کہ

بود انساں در جہاں انساں پرست
ناکس و نابود مند و زیر دست

انسانوں کا ایک گروہ ایسا تھا جس نے کسی نہ کسی طرح اقتدار حاصل کر کے، اپنے آپ کو بالادست بنا رکھا تھا اور دوسرے انسان جو ضعیف و ناتواں تھے، ان کی پرستش کرتے تھے۔ ان کی محکومی اور غلامی اختیار کئے ہوئے تھے۔

سطوتِ کسریٰ و قیصر رہزنش   بند ہا در دست و پا و گردنش

ملوکیت کی چیرہ دستیاں ان غریبوں، اور کمزوروں کی متاعِ حیات کو چھین جھپٹ کرلے جاتی تھیں۔ بالادست قوتوں نے ان مغلوب انسانوں کو مختلف قسم کی زنجیروں میں بری طرح جکڑ رکھا تھا۔

کاہن و پاپا و سلطان و امیر
بہرِ یک نخچیر صد نخچیر گیر

ایک طرف ملوکیت کا فولادی پنجہ تھا اور دوسری طرف مذہبی پیشوائیت کے مقدس اغلال و سلاسل جن میں مجبور و مقہور انسان کا بال بال بندھا ہوا تھا۔ غرضیکہ سینکڑوں شکاری تھے جو اس ایک شکار کے پیچھے لگے ہوئے تھے

صاحبِ اورنگ و ہم پیرِ کنشت
باج بر کشتِ خرابِ او نوشت

ایک طرف بادشاہ تھا جو غریبوں سے اپنا ٹیکس وصول کرتا تھا۔ دوسری طرف مذہبی پیشوا تھے جو ان سے خدائی ٹیکس وصول کرتے تھے۔ اگر وہ بادشاہ کا ٹیکس ادا نہ کرے تو اسے جیل خانہ میں جانا پڑتا تھا۔ اور اگر ان خدائی فوجداروں کا ٹیکس نہ دے تو یہ اسے جہنم رسید کر دیتے تھے۔

در کلیسا اسقفِ رضواں فروش
بہرِ ایں صیدِ زبوں دامے بدوش

گرجا میں پادری، ایک ہوشیار شکاری کی طرح جال کندھے پر ڈالے اس شکار کے پیچھے پیچھے پھرتا تھا وہ اس سے کہتا تھا کہ جو کچھ تیرے پاس ہے مجھے دیدے اور میں اس کے عوض تمہیں جنت دیتا ہوں۔

برہمن گُل از خیابانش ببرد
خرمنش مُغ زادہ با آتش سپرد

مندر میں برہمن، اس کے گلستانِ زندگی کے تر و تازہ پھول چن کر دیوی کے چرنوں میں ڈالدیتا تھا۔ اور پارسیوں کے معبد میں مُغ زادے اس غریب کی کھیتی کو برباد کر کے نذر آتشکدہ کر دیتے تھے۔

از غلامی فطرتِ او دوں شدہ
نغمہ ہا اندر نے او خوں شدہ

غرضیکہ صدیوں کی غلامی سے بیچارے کمزور و ناتواں انسان کی فطرت پست ہو چکی تھی۔ وہ اپنے آپ کو صفِ انسانیت میں کھڑے ہونے کے قابل ہی نہیں سمجھتا تھا۔ وہ یہ سب کچھ سہتا لیکن ایک حرفِ شکایت اس کے لب تک نہ آسکتا۔

دنیا میں انسان کی حالت یہ ہو چکی تھی کہ

تا تہیئے حق بجقداری سپرد   بندگاں را مسندِ خاقاں سپرد

ایک آئین آیا اور اس نے ان ڈاکوؤں کے گروہ سے غریب انسانوں کی متاعِ حیات چھین کر اسے اس کے مالکوں کے حوالے کردیا۔ اس نے محکوم و مغلوب انسانوں کو فرشِ خاک سے اٹھا کر مسندِ شاہی پر بٹھا دیا۔

شعلہ ہا از مردہ خاکستر کشاد
کوہکن را پایۂ پرویز داد

اس نے انسانیت کی بجھی ہوئی راکھ سے پھر سے زندگی کے شعلے پیدا کئے اور کوہکن کو دولتِ پرویزی کا مالک بنا دیا۔

اعتبارِ کار بنداں را فزود
خواجگی از کار فرمایاں ربود

اس نے اپنی انقلاب آفریں دعوت سے ساری دنیا کو بتا دیا کہ کسی انسان کو اس کا حق حاصل نہیں کہ وہ دوسرے انسانوں کو اپنا محکوم اور غلام بنائے۔ ہر انسان کی قدر و قیمت اس کے جوہرِ ذاتی اور اعمالِ حیات کی رو سے ہے نہ کہ اضافی نسبتوں کی بنا پر۔

قوتِ او ہر کہن پیکر شکست
نوعِ انساں را حصارِ تازہ بست

اس کی اس آواز نے تمام قدیم اور فرسودہ نظریاتِ حیات کو توڑ کر رکھ دیا۔ اور نوعِ انسانی کے گرد ایسا محکم حصار کھینچ دیا جس نے اسے استبداد کی ہر قوت سے محفوظ و مصؤن کر دیا۔ اب کسی خون آشام کا ہاتھ اس کی رگِ جاں تک نہیں پہنچ سکتا تھا۔

تازہ جاں اندر تنِ آدم دمید
بندہ را باز از خداونداں خرید

اس نے غلاموں کو ان کے آقاؤں سے خرید کر آزاد کر دیا۔ اور ابنِ آدم کے تنِ ناتواں میں حیاتِ تازہ کی روح پھونک دی۔

زادنِ او مرگِ دنیائے کہن
مرگِ آتش خانہ و دیر و شمن

اس دائیِ صادق کی بعثت دنیائے کہن کے لئے پیغامِ موت تھی۔ اس سے مجوسیوں کے آتشکدے ٹھنڈے پڑ گئے اور بت خانوں کی مورتیاں اوندھے منہ گر پڑیں۔

حریت زاد از ضمیرِ پاکِ او
ایں مے نوشیں چکید از تاکِ او

اس نے نوعِ انسانی کو حریتِ فکر و نظر کا سبق دیا۔ اس سے قبل ذہنِ انسانی، آزادی کے کیف و سرور سے بے بہرہ نا آشنا تھا۔ اس ساقیِ بادۂ توحید نے اسے اس سے لذت اندوز کیا۔

عصرِ نو کایں صد چراغ آوردہ است　　چشم در آغوشِ او وا کردہ است

نبی اکرمؐ کی بعثتِ مقدسہ، دنیائے قدیم اور جہانِ نو کے درمیان بطورِ حدِ فاصل کھڑی ہے۔ دنیائے قدیم، جہالت اور تاریکی کا دور تھا۔ اور جہانِ نو علم وبصیرت اور تمدن وترقی کا زمانہ۔ اس جہانِ نو میں علم وتہذیب کی جس قدر شمعیں فروزاں دکھائی دیتی ہیں یہ سب اسی آفتابِ عالمتاب کی نورانی کرنوں سے کسبِ ضیاء کرتی ہیں۔ اگر دنیا میں قرآنی انقلاب نہ آتا تو انسان اُسی تاریکی اور جہالت کی چادروں میں ملبوس رہتا جس میں یہ صدیوں سے لپٹے چلا آرہا تھا۔

نقشِ نو بر صفحۂ ہستی کشید
اُمتے گیتی کشائے آفرید

نبی اکرمؐ کے ظہور سے، کتابِ زندگی نے ایک نیا ورق الٹا۔ اور اس ورق پر ایک نئی دنیا کا نقشہ سامنے آیا۔ آپ کی رسالت نے ایک ایسی امت کی تشکیل کی جس نے دنیائے علم وتہذیب کے ہر باب کو واکر دیا۔

اُمتے از ما سوا بے گانۂ
بر چراغِ مصطفیٰؐ پروانۂ

ایسی امت جو چراغِ توحید کی پروانہ تھی اور ہر غیر خداوندی نظام وآئین سے بے گانہ۔ یعنی لا الٰہ۔ الا اللہ کی زندہ تفسیر۔

اُمتے از گرمیٔ حق سینہ تاب
ذرہ اش شمعِ حریمِ آفتاب

وہ امت جس کا سینہ حق کی حرارت سے گرم جوش تھا۔ وہ اُمت جس کے ایک ایک ذرہ میں نورِ رسالت کے انعکاس سے، ایسی چمک تھی کہ وہ حریمِ آفتاب (سورج کے محل) کے لئے شمع کا کام دیتی تھی۔

کائنات از کیف او رنگیں شدہ
کعبہ ہا بتخانہ ہائے چیں شدہ

وہ امت جس کے ذوقِ جمال سے کائنات کے سادہ اوراق، دامانِ باغبان وکفِ گلفروش بن گئے۔ اور جس کی حسن کاریوں سے زُہد وانزوا کی یبوستیں کیف باریوں میں تبدیل ہو گئیں۔

مرسلان وانبیا آبائے او
اکرم او نزد حق اتقائے او

وہ امت جو حسب ونسب کی خودساختہ نسبتوں سے بلند ہو کر اشتراکِ دین کی بنیاد پر ایک قوم بن گئی اور اس طرح مختلف اقوام وملل کے انبیائے کرام اس امت کے آباؤ اجداد قرار پا گئے۔

اس اُمت نے تعظیم وتکریم کے معیار اور پیمانے بھی بدل ڈالے۔ اب سب سے زیادہ واجب التکریم وہ قرار پایا جس نے قوانینِ

خداوندی کی سب سے زیادہ پیروی کی۔

کُلُّ مُؤْمِنٍ اِخْوَۃٌ اندر دلش

حریت سرمایۂ آب و گلش

اب اخوت (بھائی بھائی ہونے) کا معیار بجائے نسبی قرابت داری کے بجائے، اشتراکِ ایمان قرار پا گیا۔ دنیا کے کسی حصے میں رہتا ہوں جب وہ ایمان لے آئے تو آپس میں بھائی بھائی بن گئے اور ہر قسم کی غلامی سے آزاد ہو کر حریت کے عملی پیکر بن گئے۔

ناشکیبِ امتیازات آمدہ

در نہادِ او مساوات آمدہ

رنگ۔ نسل۔ زبان۔ خون کے تمام امتیازات سے بلند ہو کر سب ایک سطح پر کھڑے ہو گئے اور اس طرح دنیا میں صحیح مساوات کی مثال قائم کر دی۔

ہمچو سرو آزاد فرزندانِ او

پختہ از قالوا بلیٰ پیمانِ او

اس امت کے فرزند دنیا میں سرو کی طرح آزاد ہیں یعنی قرآن کے غیر متبدل اصولوں کے پابند اور ساری دنیا کے غیر خداوندی رسوم و آئین سے آزاد۔ خدا پر ایمان اور انسانوں کے خود ساختہ نظریات و تصورات سے انکار۔

سجدۂ حق گل جبینانش زدہ

ماہ و انجم بوسہ بر پایش زدہ

ایک خدا کے سامنے جھک کر ساری دنیا کی چوکھٹوں سے مستانہ وار بے نیاز گذر جانے والے۔ کائنات کی تمام قوتیں ان کے سامنے سجدہ ریز اور یہ قوانینِ خداوندی کے سامنے سرِ تسلیم خم کردہ۔

یہ ہے وہ امت جسے رسالتِ محمدیہ نے متشکل فرمایا۔ اس کے بعد علامہ اقبال نے اخوت۔ مساوات اور حریت کی وضاحت کے لئے تین تمثیلی واقعات بیان کئے ہیں۔ انھیں آئندہ قسط میں سامنے لایا جائے گا۔

اقبال اور قرآن ——— از ——— پرویز

علامہ اقبال کے قرآنی پیغام سے متعلق محترم پرویز صاحب کے انقلاب آفریں مقالات کا مجموعہ۔ ۲۵۶ صفحات ۔ قیمت دو روپے

انکار اور اقرارِ حدیث

("ابنِ مسلم" - از کراچی)

مجھے اکثر ان لوگوں سے باتیں کرنے کا اتفاق ہوتا ہے جو حدیث کے موضوع سے بڑی دلچسپی رکھتے ہیں۔ اس ضمن میں دو باتیں نمایاں طور پر میرے تجربہ میں آئی ہیں۔ ایک یہ کہ ان لوگوں کو عام طور پر معلوم ہی نہیں ہوتا کہ حدیث کے مجموعوں میں کس کس قسم کی حدیثیں موجود ہیں۔ چنانچہ جب ان کے سامنے (مثال کے طور پر) کوئی ایسی حدیث پیش کی جائے جسے کوئی سلیم الطبع انسان صحیح ماننے کو تیار نہ ہو تو وہ بڑی شدت سے کہہ دیتے ہیں کہ یہ حدیث ہو ہی نہیں سکتی۔ اس کے بعد جب انہیں کتاب کھول کر بتایا جائے کہ دیکھئے اس میں یہ حدیث موجود ہے تو ان کے پاس کوئی جواب نہیں ہوتا۔

دوسری بات یہ کہ جب ان سے کہا جائے کہ جو لوگ اپنے آپ کو متبعِ حدیث کہتے ہیں وہ احادیث کے متعلق اس اس قسم کا عقیدہ رکھتے ہیں تو وہ جھٹ کہہ دیتے ہیں کہ یہ غلط ہے۔ کوئی اس قسم کا عقیدہ رکھ نہیں سکتا۔ اس بنا پر میں نے ضروری سمجھا ہے کہ چند الفاظ میں بتا دیا جائے کہ جو لوگ اپنے آپ کو حدیث کے ماننے والے اور دوسروں کو منکرِ حدیث کہتے ہیں، حدیث کے متعلق ان کا عقیدہ کیا ہے؟

ادارہ تحقیق حق

قارئین طلوعِ اسلام "ادارہ تحقیق حق" (کراچی) کے نام سے واقف ہوں گے۔ یہ وہی ادارہ ہے جس نے طلوعِ اسلام کے خریداروں کے پتے چرا کر ان کے نام "علامہ مولوی حافظ محمد ایوب صاحب دہلوی" کے "بصیرت افروز۔ روح پرور" پمفلٹ بھیجے تھے۔ جن کا عنوان تھا "فتنۂ انکارِ حدیث"۔ ان پمفلٹوں کو بعد ازاں ایک کتابچہ کی شکل میں بھی شائع کیا گیا تھا۔ میرے سامنے اس وقت وہی کتابچہ ہے۔ آپ دیکھئے کہ یہ حضرات حدیث کے متعلق کیا عقیدہ رکھتے ہیں۔

حجت کونسی چیز ہے؟

اس کتابچہ میں انہوں نے اس موضوع پر بھی گفتگو کی ہے کہ نبی کا قول حجت ہے یا نہیں۔ اس ضمن میں وہ پہلے یہ سوال قائم کرتے ہیں۔

> اگر یہ کہا جائے کہ نبی کے بعض قول کے حجت ہونے پر اللہ کا قول حجت ہے۔ یعنی نبی کا قول اگر اللہ کے قول کے مطابق ہے تو بیشک نبی کا قول حجت ہے۔ اور اگر اللہ کے قول کے مطابق نہیں تو نبی کا قول اس وقت حجت نہیں۔ اس مقولہ کا خلاصہ یہ ہوا کہ اگر نبی کا قول اللہ کے قول یعنی قرآن کے مطابق ہے تو

> نبی کا قول حجت ہوگا ورنہ نہیں۔ (ص۲۸)

اس کے جواب میں وہ کچھ منطق صغریٰ کبریٰ قائم کرکے فرماتے ہیں۔

> اب معاملہ الٹا ہوگیا۔ یعنی کہا یہ گیا تھا کہ اللہ کا قول نبی کے قول پر حجت ہے۔ اور ثابت یہ ہوگیا کہ نبی کا قول اللہ کے قول پر حجت ہے۔ اور یہی حق ہے۔ (ص۲۹)

یعنی ان حضرات کا عقیدہ یہ ہے کہ نبی کا قول تو بہرحال حجت ہے۔ باقی رہا اللہ کا قول، سو وہ اسی حالت میں حجت ہوگا جب وہ نبی کے قول کے مطابق ہو۔

حدیث قرآن کے خلاف بھی ہو سکتی ہے

سوال یہ اٹھایا گیا کہ کیا وہی حدیث حجت ہو سکتی ہے جو قرآن کے مطابق ہو یا قرآن کے خلاف جانے والی حدیث بھی دین میں حجت ہو سکتی ہے۔ اس کے جواب میں وہ لکھتے ہیں۔

> جس طرح خدا کے قول کے حجت ہونے میں یہ شرط نہیں کہ وہ عقل کے مطابق ہو۔ بالکل اسی طرح نبی کے قول کے حجت ہونے میں یہ شرط نہیں ہے کہ وہ قرآن کے مطابق ہو۔ اس لئے کہ نبی کا قول بھی قول اللہ ہے اور قرآن بھی قول اللہ ہے۔ اور اللہ کے دونوں قول ہیں۔ قرآن بھی اور حدیث رسول بھی۔ تو اللہ کے قول کے لئے یہ ضروری نہیں ہے کہ اس میں تنوع نہ ہو۔ جس طرح کہ اس کے ایک فعل کے لئے ضروری نہیں ہے کہ وہ دوسرے فعل کے مطابق ہو۔ ایک طرف پہاڑ کی چوٹی فلک تک پہنچ رہی ہے دوسری طرف کھڈ کی گہرائی تحت الثریٰ تک پہنچ رہی ہے۔ جس طرح اس کے ایک فعل کا دوسرے فعل کے مطابق ہونا ضروری نہیں اسی طرح اس کے ایک قول کا۔ یعنی حدیث رسول کا۔ اس کے دوسرے قول۔ یعنی قرآن کے مطابق ہونا ضروری نہیں ہے۔ (ص۵۱)

اسی عقیدہ کو آگے چل کر یوں دہرایا گیا ہے۔

> ہر صورت میں نبی کا قول حجت ہے۔ نبی کا قول مستقل حجت ہے۔ غیر مشروط حجت ہے۔ نبی کے قول کے لئے یہ ضروری نہیں ہے کہ وہ قرآن کے مطابق ہو تب تو حجت ہے۔ اگر مطابق نہ ہو تو حجت نہیں ہے۔ یہ شرط غیر نبی کے لئے ہے کہ اگر غیر نبی کا قول قرآن کے مطابق ہے تو بیشک ہر غیر نبی کا قول بھی حجت ہے اگر مطابق نہیں ہے تو ہر غیر نبی کا قول حجت نہیں ہے بلکہ جس طرح قرآن کے لئے ضروری نہیں کہ وہ ہماری عقل کے مطابق ہو تو حجت ہو اور ہماری عقل کے مطابق نہ ہو تو حجت نہ ہو۔ اسی طرح نبی کے قول کے لئے یہ ضروری نہیں ہے کہ وہ قرآن کے مطابق ہو تو حجت ہو اور قرآن کے مطابق نہ ہو تو حجت نہ ہو۔
>
> (ص۹۳ تا ۹۵)

یعنی ان حضرت کا عقیدہ یہ ہے کہ

(۱) قرآن بھی اللہ کا قول ہے اور حدیث بھی اللہ کا قول ہے۔

(۲) اللہ کے اقوال ایک دوسرے سے متضاد اور باہمدگر مخالف بھی ہو سکتے ہیں۔ اس لئے یہ ہو سکتا ہے کہ قرآن اور حدیث باہمدگر مخالف ہوں۔

(۳) حدیث اگر قرآن کے مخالف ہے تو بھی وہ دین میں حجت ہے۔ حدیث بہر حال حجت ہے۔

ما انزل اللہ کیا ہے؟

سوال یہ ہے کہ ما انزل اللہ صرف قرآن ہے یا اس کے علاوہ کچھ اور بھی؟ اس کے جواب میں آپ لکھتے ہیں۔

اگر کوئی کہے کہ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَا أَنْزَلَ اللّٰهُ کے کیا معنی ہیں۔ نبی سے یہ کہا جا رہا ہے کہ تو کتاب اللہ کے ساتھ ان کے درمیان فیصلہ کر۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ ما انزل اللہ کے معنی صرف کتاب اللہ نہیں ہے۔ بلکہ ما انزل اللہ کتاب اللہ بھی ہے اور حدیث رسول اللہ بھی۔ (ص ۵۲)

حدیث قرآن کو منسوخ کر سکتی ہے

سوال یہ ہے کہ کیا حدیث قرآن کو منسوخ کر سکتی ہے؟ اس کے ... لکھتے ہیں۔

رہی یہ بات کہ قولِ رسول قرآن کے خلاف ہو تو وہ بھی حجت ہے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ قرآن میں ہے كُتِبَ عَلَيْكُمْ إِذَا حَضَرَ أَحَدَكُمُ الْمَوْتُ إِنْ تَرَكَ خَيْرًا الْوَصِيَّةُ لِلْوَالِدَيْنِ ...... تمہارے اوپر والدین کے لئے وصیت فرض ہے۔ اگر کسی نے مال چھوڑا ہے جب کہ اسے موت آئے۔

رسول اللہ نے فرمایا لا وصية للوارث۔ وارث کے لئے وصیت نہیں۔ اور تو اتر سے ثابت ہے کہ عمل اسی حدیث پر رہا ہے۔ یعنی وارث کے لئے وصیت ناجائز قرار دی گئی۔ حدیث نے قرآن کی آیت کو منسوخ کر دیا۔ اور قولِ رسول قرآن کی آیت کے خلاف حجت اور موجب عمل رہا۔ (ص ۵۳)

اس کے بعد وہ لکھتے ہیں۔

اب اگر کہا جائے کہ یہ سمجھ میں نہیں آتا کہ رسول کا کوئی قول قرآن کے خلاف ہو اور رسول کا قول قرآن کو منسوخ کر دیتا ہو تو پہلے یہ سمجھ لینا چاہیئے کہ رسول کا قول اس کا اپنا قول نہیں ہوتا۔ وہ درحقیقت خدا کا قول ہوتا ہے۔ جس طرح قرآن خدا کا قول ہے اسی طرح رسول کا قول بھی خدا کا قول ہے۔ اور جس طرح قرآن کی ایک آیت قرآن کی دوسری آیت کو منسوخ کر دیتی ہے اسی طرح خدا کا ایک قول (یعنی

[illegible] قرآن کو [illegible] کرتی ہے۔ (صفحہ ۶۹)

احادیث ظنی ہیں

کتابچے کے صفحہ ۵۴ پر ہمیں یہ سوال و جواب ملتے ہیں۔

سوال:- کیا احادیث [illegible] کا جو مجموعہ ہمارے پاس ہے وہ یقینی ہے یا ظنی

[illegible] وہ ظنی ہے [illegible] ہیں جو احادیث ہیں وہ ظنی ہیں۔

سوال:- کیا ظن شرعاً حجت ہے یا نہیں؟

[illegible] ظن شرعاً بھی [illegible] اور عقلاً بھی حجت ہے۔ [illegible] ثابت ہونے کے یہ معنی ہیں کہ ظن [illegible] یعنی ظن موجب عمل ہے۔ موجب ایمان نہیں۔

صفحہ ۶۷ پر یہ [illegible]

عقیدہ [illegible] یقین [illegible] ظن سے یقین نہیں ہوتا [illegible] ظن کو [illegible] گیا ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ ظن [illegible] موجب عمل ہے۔ موجب ایمان نہیں ہے۔ بنا اسائل ایمانیہ میں ظن [illegible] نہیں ہوگا اور [illegible] ظن حجت ہوگا۔

احادیث کو لکھوا کیوں نہیں؟

[illegible] صفحہ ۹۱ پر یہ سوال دیا [illegible]

[illegible] جب یہ ثابت ہو گیا کہ [illegible] رسول حجت ہے اور احادیث شرعاً حجت ہیں اور دین یا دین کا جزو ہیں [illegible] قرآن کو [illegible] کو دیتے [illegible] احادیث کے مجموعہ کو بھی لکھوا کر دینا چاہیے تھا۔ لکھوا کر کیوں نہیں دیا۔

[illegible] احادیث کے مجموعہ کو اس لئے لکھوا کر نہیں دیا کہ احادیث کا مجموعہ وحی غیر متلو ہے۔ کسی [illegible] غیر کتاب کو لکھ کر نہیں دیا۔

احادیث محفوظ ہیں

[illegible] قرآن کی حفاظت کا ذمہ لیا ہے۔ اگر احادیث بھی دین تھیں تو ان [illegible] حفاظت کا ذمہ کیوں نہ لیا۔ کہتے ہیں:

اللہ تعالیٰ [illegible] ذکر [illegible] کی حفاظت کا وعدہ [illegible]

[illegible] اور ذکر [illegible] حدیث [illegible] بھی محفوظ [illegible]

[illegible] کی

حافظ ساری قوم ہے۔ (صفحہ ۹۷)

خلافِ تہذیب و خلافِ عقل احادیث

صفحہ ۹۵ پر یہ سوال درج ہے۔

سوال:- نبی کی طرف بے حیائی کی نسبت، جھوٹ کی نسبت، غیر معقولیت کی نسبت، ناواقفیت کی نسبت جن احادیث سے ظاہر ہو ان احادیث کو ان نقائص کی بنا پر حدیثِ رسول سے خارج کر دینا چاہیئے۔ جیسا کہ بعض احادیث سے ثابت ہے کہ حضرت عائشہؓ اور حضورؐ ایک ظرف میں غسل کیا کرتے تھے۔ اور جیسا کہ بعض احادیث میں ہے کہ حضرت ابراہیم خلیل اللہ نے تین جھوٹ بولے۔ اور جیسا کہ مذکور ہے کہ حضرت موسیٰ نے ملک الموت کے تھپڑ مارا اور جیسا کہ کھجور کے بارے میں حضورؐ نے فرمایا کہ زیادہ پھل آئے گا اور زیادہ پھل نہیں آیا۔ ان احادیث سے بے حیائی، جھوٹ، نامعقولیت اور ناواقفیت نبی کی طرف منسوب ہوتی ہے۔

اس کا جواب ملاحظہ فرمایئے۔

جواب:- محض ان نسبتوں سے حدیث ناقابلِ قبول نہیں ہوتی۔ مثلاً بے حیائی کی جو نسبت کی گئی ہے وہ محض نسبت کرنے والے کا خیال ہے۔ میاں بیوی کی برہنگی سے اگر بے حیائی مقصود ہو تو نظامِ نسل باطل ہو جائے گا۔ ...... ابراہیم خلیل اللہ کی طرف جو جھوٹ کی نسبت ہے اس نسبت سے بھی حدیث کو حدیث ہونے سے خارج نہیں کیا جا سکتا۔ ...... حضرت موسیٰ نے ملک الموت کے تھپڑ مارا۔ یہ بھی خلافِ عقل اور غیر معقول نہیں ہے۔ لیکن جب انسان کی زندگی میں ہم کلامی ان کی جو بظاہر غیر معقول ہے تو پھر اس تھپڑ مارنے میں کیا غیر معقولیت ہے۔ یعنی دونوں ایک ہی درجہ کی باتیں ہیں یعنی جو شخص کسی سے بات چیت کر سکتا ہے وہ اس کے تھپڑ بھی مار سکتا ہے۔ ......

اس سارے بیان کا ماحصل یہ ہے کہ حدیث پر ... ہیں اسی نوعیت کے اعتراضات قرآن پر وارد ہو سکتے ہیں تو جس طرح قرآن کو قرآن ہونے سے ان اعتراضات کی بنا پر خارج نہیں کیا جا سکتا اسی طرح ان اعتراضات کی بنا پر حدیث کو حدیث ہونے سے خارج نہیں کیا جا سکتا۔ تم کہتے ہو کہ حدیث میں یہ بات ہے اس بات کی وجہ سے ہم نہیں مانتے۔ جب ... یہی بات قرآن کی آیت میں بھی موجود ہے تو چاہیئے کہ اس کو بھی نہ مانو۔ (صفحہ ۹۳-۹۲)

خلاصۂ مبحث جو اقتباسات گذشتہ صفحات میں پیش کئے گئے ہیں ... واضح ہے کہ حدیث کے متعلق ان حضرات

کے عقائد حسب ذیل ہیں۔

(۱) قرآن بھی اللہ کا قول ہے اور حدیث بھی اللہ کا قول ہے۔

(۲) اللہ کے اقوال ایک دوسرے سے متضاد اور مخالف ہو سکتے ہیں۔ اس لئے یہ ہو سکتا ہے کہ قرآن اور حدیث ایک دوسرے کے خلاف ہوں۔

(۳) حدیث اگر قرآن کے خلاف ہے تو بھی وہ دین میں حجت ہے۔

(۴) اللہ کا قول' رسول کے قول پر حجت نہیں۔ بلکہ رسول کا قول' اللہ کے قول پر حجت ہے۔

(۵) قرآن بھی ما انزل اللہ ہے اور حدیث بھی ما انزل اللہ۔

(۶) حدیث' قرآن کو منسوخ کر سکتی ہے۔ عمل حدیث کے مطابق ہوگا۔ قرآن کے مطابق نہیں۔

(۷) احادیث کے موجودہ مجموعے (بخاری۔ مسلم وغیرہ) ظنی ہیں۔ لیکن اس کے باوجود یہ دین میں حجت ہیں۔ یہ موجب ایمان نہیں۔ موجب عمل ہیں۔

(۸) احادیث، وحی غیر کتاب ہیں اس لئے انہیں لکھوایا نہیں گیا۔ اس کے باوجود خدا نے ان کی حفاظت کا ذمہ اسی طرح لیا جس طرح قرآن کی حفاظت کا۔ چنانچہ دونوں محفوظ ہیں۔ اور حدیث قرآن سے بھی زیادہ محفوظ ہے۔

(۹) اگر احادیث خلاف عقل۔ خلاف تہذیب نظر آئیں۔ یا ان سے کسی نبی کی شان میں طعن پایا جائے یا ان کے کیریکٹر پر حرف آتا ہو۔ تو بھی انھیں صحیح مانا جائے گا۔ کیونکہ اس قسم کی باتیں خود قرآن میں بھی ہیں

اگر آپ حدیثوں کے متعلق اس قسم کا عقیدہ رکھتے ہیں تو آپ کو حدیثوں کا ماننے والا تسلیم کیا جائے گا۔ اگر آپ ایسا نہیں مانتے تو آپ منکر حدیث ہیں۔

اگر آپ سے کوئی صاحب حدیث کے متعلق گفتگو کریں تو ان سے پہلے دریافت کیجئے کہ حدیث کے متعلق ان کے عقاید یہی ہیں جو اوپر بیان کئے گئے ہیں۔ اگر وہ ایسا نہ مانتے ہوں تو وہ بھی منکر حدیث ہیں۔ اس معیار کے مطابق آپ کو بہت کم لوگ ایسے ملیں گے جو منکر حدیث نہ ہوں۔

اسباب زوال امت (دوسرا ایڈیشن) مسلمانوں کی ہزار سالہ تاریخ میں پہلی مرتبہ بتایا گیا ہے کہ ہماری نکبت (زوال) کے اسباب کیا ہیں اور ان کا علاج کیا؟ - ۷۲ صفحات　قیمت دو روپے۔

مسلسل

سلسلۂ اصلاح وتذکیر

(محترم عمر احمد صاحب عثمانی)

قرآنی معاشرہ

باہمی تعلقات کے متعلق قرآن کی تعلیم

(۱۴)

[اس مضمون کی گذشتہ گیارہ اقساط میں یہ بتایا گیا تھا کہ اولاد کو اپنے والدین کے ساتھ۔ والدین کو اپنی اولاد کے ساتھ۔ بھائی بہنوں کو آپس میں اور میاں بیوی کو ایک دوسرے کے ساتھ۔ نیز قرابت داروں کو ایک دوسرے کے ساتھ باہم کس طرح پیش آنا چاہیئے۔ اور ان کے حقوق و واجبات کیا ہیں؟ پھر بارھویں اور تیرھویں قسط میں یہ بتایا گیا کہ عام مسلمانوں کے باہمی تعلقات کی نوعیت کیا ہونی چاہیئے۔ اور ان کے ایک دوسرے پر کیا حقوق و واجبات ہیں؟ یہ بیان ہنوز جاری ہے۔ طلوعِ اسلام]

مسلمانوں کے باہمی تعلقات

گفتگو میں احتیاط جب آپس میں ایک دوسرے سے بات کرو تو سوچ سمجھ کر بات کرو جو الفاظ زبان سے نکالو ان کو اچھی طرح جانچ تول کر دیکھ لو کہ ان میں کسی کی دل آزاری یا برائی کا کوئی پہلو تو نہیں نکلتا۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقُولُوا رَاعِنَا وَقُولُوا انْظُرْنَا وَاسْمَعُوا وَلِلْكَافِرِينَ عَذَابٌ أَلِيمٌ (۲/۱۰۴)

اے پیروانِ دعوتِ ایمانی! (اگر کوئی بات سمجھ میں نہ آئے تو رسول کو خطاب کرتے ہوئے) رَاعِنَا کا لفظ نہ کہا کرو بلکہ انْظُرْنَا کا لفظ کہا کرو۔ اس بات کو اچھی طرح سن لو۔ اور کافروں کے لئے دردناک عذاب ہے۔

مفہوم کے اعتبار سے رَاعِنَا اور انْظُرْنَا میں زیادہ فرق نہیں ہے مگر رَاعِنَا کا لفظ ذو معنی تھا۔ اس میں دوسرا گوار پہلو بھی نکل سکتا

تھا اس لیے مسلمانوں کو اس لفظ ... علاوہ ازیں رسول اکرم صلعم کے زمانے میں ... شیریں بیانی اور نرم زبانی کو بہت ... کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ جیسا کہ ارشاد ہے:

فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللَّهِ لِنتَ لَهُمْ ۖ وَلَوْ كُنتَ فَظًّا غَلِيظَ الْقَلْبِ
لَانفَضُّوا مِنْ حَوْلِكَ ۖ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ وَشَاوِرْهُمْ
فِي الْأَمْرِ ...... (۳/۱۵۹)

اے پیغمبر! یہ اللہ کی بڑی رحمت ہے کہ تم ان لوگوں کے لیے نرم دل ہو گئے۔ اگر کہیں تم تند خو اور سخت دل کا اگر ہوتے تو لوگ ... کبھی کے تمہارے پاس سے ... ان کی خطائیں معاف کر دو اور درگزر سے کام لو اور ان کے لیے ... مغفرت ... کرو اور ... مشورہ کر لیا کرو۔

ہر حال لوگوں کے ساتھ ہمیشہ نرم گفتاری اور شیریں زبانی کے ساتھ پیش آنا چاہیے ... سخت کلامی سے کام نہیں لینا چاہیے۔ حسن کلام کی بار بار تاکید کی گئی ہے۔

وَإِذْ أَخَذْنَا مِيثَاقَ بَنِي إِسْرَائِيلَ لَا تَعْبُدُونَ إِلَّا اللَّهَ وَبِالْوَالِدَيْنِ
إِحْسَانًا وَذِي الْقُرْبَىٰ وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسَاكِينِ وَقُولُوا لِلنَّاسِ حُسْنًا ...... (۲/۸۳)

اور یاد کرو جب ہم نے بنی اسرائیل سے عہد لیا تھا کہ تم خدا کے سوا کسی کی عبادت نہیں کرو گے اور والدین، قرابت داروں، یتیموں اور مسکینوں کے ساتھ حسن سلوک کرو گے اور لوگوں کے ساتھ حسن کلام سے پیش آیا کرو گے۔

کیونکہ لوگوں کے ساتھ مناسب انداز سے گفتگو کرنا اور عفو و درگزر سے کام لینا ... صدقہ ... سے بہتر ہے۔

قَوْلٌ مَّعْرُوفٌ وَمَغْفِرَةٌ خَيْرٌ مِّن صَدَقَةٍ يَتْبَعُهَا أَذًى ۗ وَاللَّهُ
غَنِيٌّ حَلِيمٌ (۲/۲۶۳)

مناسب انداز سے بات کرنا اور عفو و درگزر سے کام لینا اس صدقہ سے بہتر ہے جس کے پیچھے دکھ دینا ہو اور اللہ بے نیاز اور بردبار ہے۔

لیکن نرمی کے ساتھ گفتگو کرنے کا مطلب یہ نہیں کہ ... حق بات ... منافقت اور ... اور ... اس لیے ... انصاف کی ... سخت بات ... نہ ... کہو۔

وَإِذَا قُلْتُمْ فَاعْدِلُوا وَلَوْ كَانَ ذَا قُرْبَىٰ (۶/۱۵۲)

اور جب گفتگو کرو تو انصاف سے کام لو خواہ وہ کسی رشتہ دار ہی کے بارے میں کیوں نہ ہو۔

لہذا ان کا ایک طرف تو مومنین خود ایسی بیہودہ باتوں کے قریب نہیں جاتے جس مجلس میں یہ بیہودہ باتیں ہو رہی ہوں وہ اس سے دامن بچاتے ہوئے نکل جاتے ہیں۔

قَدْ أَفْلَحَ الْمُؤْمِنُونَ ۝ الَّذِينَ هُمْ فِي صَلَاتِهِمْ خَاشِعُونَ ۝ وَالَّذِينَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُونَ ۝ (۲۳/۱-۳)

تحقیق وہ مومن دعویٰ ایمان کی کھیتیاں پروان چڑھ گئیں جو اپنی صلوٰۃ میں ... اور جو ہر قسم کی بیہودگی سے دامن بچا کر نکل جانے والے ہیں۔

دوسرے مقام پر ہے

وَالَّذِينَ لَا يَشْهَدُونَ الزُّورَ وَإِذَا مَرُّوا بِاللَّغْوِ مَرُّوا كِرَامًا (۲۵/۷۲)

اور یہ مومن ... غلط اور جھوٹ باتوں میں کوئی حصہ نہیں لیتے۔ بلکہ جب وہ کسی بیہودگی کے پاس سے گزرتے ہیں تو شریفانہ انداز سے (دامن بچاتے ہوئے) گزر جاتے ہیں۔

امر بالمعروف و نہی عن المنکر

ایک قرآنی معاشرہ میں تمام مسلمان اپنے آپ کو اس کا پابند تصور کرتے ہیں کہ معاشرہ میں کوئی ... بات نہ ہونے پائے جو معروف (Recognised) نہ ہو بلکہ منکر یعنی (Un-Recognised) ہو۔ بنا بریں وہ ایک دوسرے کو اس کی تاکید کرتے رہتے ہیں اور اگر وہ دیکھتے ہیں کہ ان میں کا کوئی فرد منکر (Un-Recognised) امور کا مرتکب ہو رہا ہے تو اسے اس سے باز رکھنے کی پوری سعی کرتے ہیں۔ کیونکہ معاشرہ میں ... امور کو برداشت کر لینا دراصل پورے معاشرہ کو زہر آلود کر دینے کے مرادف ہوتا ہے۔ معاشرہ میں اگر ایک شخص ناپسندیدہ امور کا ارتکاب کرتا رہتا ہے اور مسلمانوں کی ہیئت اجتماعیہ اسے روکنے کی ضرورت بھی محسوس نہیں کرتی تو اس طرح رفتہ رفتہ عوام کے دل سے ان امور کی ناپسندیدگی کی اہمیت جاتی رہتی ہے اور پھر عام طور پر ایسے امور کا ارتکاب کیا جانے لگتا ہے جس کے نتیجے میں ... زہر آلود اور ناپسندیدہ اعمال کا مظہر بن کر رہ جاتا ہے۔ قرآن کریم نے اس امر پر بار بار زور دیا ہے کہ ناپسندیدہ ... امور کی ذرہ بھر حوصلہ افزائی نہ کی جائے اور لوگوں کو مجبور کیا جائے کہ وہ معروف اور پسندیدہ ... امور کی پیروی کریں۔ مسلمانوں کی خصوصیت قرآن کریم نے یہ بتائی ہے کہ وہ

يَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنكَرِ وَيُقِيمُونَ الصَّلَاةَ وَيُؤْتُونَ الزَّكَاةَ وَيُطِيعُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ ۚ أُولَٰئِكَ سَيَرْحَمُهُمُ اللَّهُ ۗ إِنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ۝ (۹/۷۱)

یہ مومن ... معروف (Recognised) امور کا حکم دیتے ہیں اور منکر (Un-Recognised) امور سے لوگوں کو روکتے ہیں۔ نظام صلوٰۃ قائم کرتے اور سامان نشوونما بہم پہنچاتے ہیں۔ اور اللہ اور اس

کے رسول کی اطاعت اور فرماں برداری کرتے ہیں۔ یہ لوگ ہیں جن پر اللہ اپنی رحمتیں نازل کرتا ہے
یقیناً خدا بڑے غلبہ اور حکمت کا مالک ہے۔

مگر یہ چیز وعظ سے نہیں ہوگی

ہمارے ہاں بدقسمتی سے یہ خیال عام طور پر پھیلا ہوا ہے کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر سے مراد وعظ و نصیحت کرنا ہے۔ چنانچہ اسی خیال کے ماتحت امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا ایک محکمہ پاکستان کی اسلامی حکومت میں قائم کرنے پر زور دیا جا رہا ہے۔ تاکہ اس محکمہ کے ماتحت کچھ مولوی صاحبان کو ملازم رکھا جائے اور وہ لوگوں میں وعظ و نصیحت کرتے پھرا کریں۔ حالانکہ خود امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے الفاظ ہی اس نظریہ کی تردید کے لئے کافی ہیں۔ امر اور نہی (حکم اور ممانعت) وعظ و نصیحت یا درخواست کرنے کو نہیں کہتے بلکہ اقتدار مندانہ طریقہ پر حکم دینے اور روکنے کو کہتے ہیں۔ اب سے پہلے اسلامی حکومتوں میں محتسبین کا ایک محکمہ ہوتا تھا جن کا کام یہی ہوتا تھا کہ وہ عام پبلک کی نگرانی کریں اور جہاں کسی کو دیکھیں کہ وہ ناپسندیدہ اعمال کا ارتکاب کر رہا ہے اس کی گرفت کریں۔ لہٰذا ایک اسلامی حکومت میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا ادارہ واعظوں اور خطیبوں کا ادارہ نہیں ہوگا بلکہ محتسبین کا ادارہ ہوگا جو خالصۃً حکومت کے قائم کرنے کا ہوگا۔ البتہ یہ ظاہر ہے کہ حکومت کا اس قسم کا کوئی ادارہ اس وقت تک کامیاب نہیں ہوگا جب تک عام مسلمان اس ادارے سے تعاون نہ کریں۔ اور وہ بھی لوگوں پر کڑی نظر نہ رکھیں اور حکومت کو ان ناپسندیدہ عناصر کے متعلق معلومات بہم نہ پہنچائیں ورنہ تنہا حکومت کے محاسب معاشرے سے ان ناپسندیدہ اعمال کا خاتمہ نہیں کر سکتے۔ قرآن کریم نے دوسری جگہ اس امر کو واضح کر دیا ہے کہ امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے لئے حکومت کو اقدام کرنا ہوگا اور عام مسلمانوں کو اس کے ساتھ تعاون۔ جہاں فرمایا

اَلَّذِيْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِى الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ
وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ ؕ وَلِلّٰهِ عَاقِبَةُ الْاُمُوْرِ ۔ (۲۲/۴۱)

یہ وہ لوگ ہیں کہ اگر ہم نے ان کو زمین میں اقتدار و حکومت عطا کر دی تو وہ نظام صلوٰۃ کو قائم کریں گے سامان نشو و نما بہم پہنچائیں گے۔ معروف کا حکم دیں گے اور منکر سے لوگوں کو روکیں گے۔ اور تمام معاملات کا انجام بہرحال خدائی قوانین کے ماتحت ہی ہونا چاہیئے۔

معروف و منکر کیا ہیں؟

یہاں اس نکتہ کی وضاحت بھی ضروری ہے کہ قرآن کی اصطلاح میں معروف و منکر کسے کہتے ہیں۔ کیونکہ عام طور پر معروف کے معنی نیکی اور منکر کے معنی بدی کے کئے جاتے ہیں۔ حالانکہ نیکی اور بدی کے لئے قرآن کریم میں اور بہت سے الفاظ موجود ہیں۔ قرآن کریم نیکی اور بدی کو کہیں اَلْحَسَنَةُ اور اَلسَّيِّئَةُ سے تعبیر کرتا ہے۔ کہیں خیر و شر سے۔ جن کو قرآن نے خود متعین کر دیا ہے اور کہیں حلال اور حرام سے تعبیر کرتا ہے ان کو بھی قرآن کریم نے خود ہی متعین کر دیا ہے۔ معروف کے معنی عربی زبان میں "جانے پہچانے" کے ہوتے ہیں اور منکر کے معنی ایسے کاموں کے ہیں جو "جانے پہچانے نہ ہوں"۔ لہٰذا معروف کے معنی ہماری زبان میں ایسے امور کے ہوں گے جن کو اسلامی سوسائٹی انگریزی Recommended کرتی ہو۔ اور منکر سے مراد وہ

ہوں گے جن کو سوسائٹی انگیز (Recognises) نہ کرتی ہو۔ مختلف قوموں اور مختلف ممالک میں گوناگوں رواج ہوگئے ہیں ایک ملک یا ایک قوم میں ایک بات کو انگیز کیا جاتا ہے مگر دوسری قوم یا دوسرے ملک میں اس بات کو انگیز نہیں کیا جاتا۔ لہٰذا معروف و منکر کا تعین ہر قوم اور ہر ملک کے لئے اپنے اپنے رسم و رواج کے مطابق کرنا ہوگا۔ دنیا کی تمام قوموں اور تمام ممالک کے رسوم و رواج یکساں نہیں ہو سکتے اس لئے ایسے امور کو متعین نہیں کیا جا سکتا کہ کون سے امور معروف ہو سکتے ہیں اور کون سے امور منکر۔ قرآن کریم نے ایسے امور کے لئے معروف و منکر کی ایک جامع اصطلاح اختیار کی ہے تاکہ ہر سوسائٹی اور ہر ملک و قوم کے رسم و رواج کو سامنے رکھ کر یہ اس کے مسلمان ان امور کو خود متعین کر سکیں کہ ان کے معاشرہ میں کون سے امور ایسے ہیں جو معروفات (RECOGNISED MANNERS) کے ضمن میں آتے ہیں اور کون سے معاملات ایسے ہیں جو منکرات (UN-RECOGNISED MANNERS) کے ضمن میں۔ آج بہت سے امور ایشیائی ممالک میں ایسے ہیں جنہیں یہاں انگیز کیا جاتا ہے۔ مگر یورپ میں انگیز نہیں کیا جاتا جبکہ بعض دوسرے امور اس کے برعکس ایسے بھی ہیں جنہیں ایشیائی ممالک میں انگیز نہیں کیا جاتا مگر یورپین ممالک میں انگیز کر لیا جاتا ہے۔ ظاہر ہے کہ ایسے معاملات کے متعلق کوئی متعین فیصلہ نہیں کیا جا سکتا تھا۔ لیکن اس سے یہ نہ سمجھ لیجئے کہ جس رسم و رواج کو کوئی ملک یا قوم معروف خیال کرے وہ مستحسن قرار پا جائے گی اور جسے وہ پسند نہ کرے وہ مذموم ٹھرائی جائے گی۔ ایک اسلامی ملک میں وہی رسوم و رواج مستحسن قرار پائیں گے جو دین کے محکم اصولوں کے اندر رہتے ہوئے اختیار کئے جائیں۔ جو رسوم و آداب دین کے اصولوں سے ٹکرائیں وہ کسی صورت میں بھی مستحسن نہیں سمجھے جا سکتے۔ اسی لئے قرآن نے معروف و منکر کو المعروف اور المنکر (ال) سے مخصوص کر دیا ہے۔

اس سے ظاہر ہے کہ قرآن کی نگاہ میں ان معاملات کی اہمیت بھی کچھ کم نہیں جن کا تعلق معاشرے کے رسم و رواج اور اس کے عرف و عادت سے ہے۔ حضرت لقمانؑ نے اپنے صاحبزادے کو نصیحت فرماتے ہوئے فرمایا تھا کہ معاشرے کے ان معروف امور کا لوگوں کو حکم دینا اور منکر امور سے ان کو روکنا بڑی اہم بات ہے۔

يَا بُنَيَّ أَقِمِ الصَّلَاةَ وَأْمُرْ بِالْمَعْرُوفِ وَانْهَ عَنِ الْمُنكَرِ وَاصْبِرْ
عَلَىٰ مَا أَصَابَكَ ۖ إِنَّ ذَٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْأُمُورِ (۱۷/۳۱)

جانِ پدر! اقامِ صلوٰۃ کو قائم کرنا۔ معروف کا حکم دینا اور منکر سے لوگوں کو روکنا۔ اس سلسلے میں جو کچھ تمہیں پیش آئے اس پر ثابت قدم رہنا۔ بلاشبہ یہ امر نہایت ہی اہم معاملات میں سے ہے۔

جو امور معاشرہ میں منکر سمجھے جاتے ہوں ان سے مسلمانوں کو لازماً باز رہنا چاہیئے۔ منکر امور کا ارتکاب معصیت میں داخل ہے چنانچہ بنی اسرائیل کے متعلق بتایا گیا ہے کہ

لُعِنَ الَّذِينَ كَفَرُوا مِن بَنِي إِسْرَائِيلَ عَلَىٰ لِسَانِ دَاوُودَ وَعِيسَى ابْنِ
مَرْيَمَ ۚ ذَٰلِكَ بِمَا عَصَوا وَّكَانُوا يَعْتَدُونَ ۔ كَانُوا لَا يَتَنَاهَوْنَ عَن
مُّنكَرٍ فَعَلُوهُ ۚ لَبِئْسَ مَا كَانُوا يَفْعَلُونَ ۝ (۷۹/۵)

> بنی اسرائیل کے ان لوگوں پر جو کفر کی راہ اختیار کرتے تھے داؤد اور عیسیٰ ابن مریم کی زبان سے لعنت کی پھٹکار برسائی گئی۔ یہ اس وجہ سے تھا کہ وہ لوگ نافرمانی کرتے اور حد سے تجاوز کرنے لگے تھے یعنی وہ لوگ ان منکرات سے باز نہیں آتے تھے جن کا وہ ارتکاب کرتے آ رہے تھے۔ بڑی ہی بری بات تھی جو وہ کرتے تھے۔

لہٰذا ان امور کو زبان سے خارج نہیں سمجھا جا سکتا۔ جس معاشرہ میں آپ رہ رہے ہیں اس کے معاشرتی حالات سے آپ لاتعلق نہیں رہ سکتے۔ اس معاشرہ میں رہتے ہوئے آپ کو اس کے معروف امور کی پابندی اور منکرات سے احتراز لازماً کرنا ہوگا۔ اگر آپ ایسا نہیں کر سکتے تو آپ کو اس معاشرہ میں رہنے کا کوئی حق نہیں۔ آپ کو اس سے الگ ہو جانا چاہیے۔

وعظ و نصیحت

جیسا کہ پہلے بتایا جا چکا ہے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر معاشرہ کی ہیئت اجتماعیہ کا فریضہ ہے۔ وہ طاقت کے زور سے لوگوں کو معروف کرنے کا حکم دے گی اور منکر سے باز رکھے گی۔ علاوہ ازیں افراد مسلمانوں کو اپنی ہیئت اجتماعیہ سے اس مقصد میں پوری پوری اعانت کرنا ہوگی کیونکہ ان کے تعاون کے بغیر ان کی ہیئت اجتماعیہ اپنے اس فریضہ سے کما حقہ سبکدوش نہیں ہو سکتی۔ مگر اس کے ساتھ ساتھ لوگوں کو سمجھانے کا بھی حکم دیا گیا ہے۔ اگر ہم دیکھتے ہیں کہ ہمارا کوئی بھائی ناپسندیدہ امور کا مرتکب ہو رہا ہے تو انفرادی طور پر بھی اسے سمجھانا چاہیے۔ ممکن ہے ہماری نصیحت سے اس کی اصلاح ہو جائے اور وہ اپنی زندگی کو سنوار لے۔ ناپسندیدہ امور کا ارتکاب کرنے والے اپنی اس عادت میں کتنے ہی پختہ کیوں نہ ہو چکے ہوں، ہمیں اپنا یہ فرض برابر ادا کرتے رہنا چاہیے۔

> وَإِذْ قَالَتْ أُمَّةٌ مِّنْهُمْ لِمَ تَعِظُونَ قَوْمًا ۙ اللَّهُ مُهْلِكُهُمْ أَوْ مُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا شَدِيدًا ۖ قَالُوا مَعْذِرَةً إِلَىٰ رَبِّكُمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَّقُونَ ۝ فَلَمَّا نَسُوا مَا ذُكِّرُوا بِهِ أَنجَيْنَا الَّذِينَ يَنْهَوْنَ عَنِ السُّوءِ وَأَخَذْنَا الَّذِينَ ظَلَمُوا بِعَذَابٍ بَئِيسٍ بِمَا كَانُوا يَفْسُقُونَ ۝ (١٦٥)
>
> اور یاد کرو جب ان میں سے ایک جماعت نے کہا کہ تم ان لوگوں کو کیوں نصیحت کرتے ہو جنہیں خدا ہلاک کرنے والا یا سخت ترین عذاب دینے والا ہے۔ انھوں نے جواب میں کہا کہ ہم تمہارے پروردگار کے حضور اپنا فرض ادا کر کے سبکدوش ہونا چاہتے ہیں اور ہو سکتا ہے کہ ہماری نصیحت اثر کر جائے اور یہ لوگ اپنے آپ کو قوانین خداوندی کی خلاف ورزی سے بچانے لگیں۔ چنانچہ جب ان لوگوں نے نصیحت کو بھلا دیا تو ہم نے ان لوگوں کو بچا لیا جو معاشرہ میں ناہمواری پیدا کرنے والے امور سے ان کو روکتے تھے اور ان لوگوں کو درد ناک عذاب میں پکڑ لیا جو ظلم کا ارتکاب کر رہے تھے کیونکہ وہ لوگ فسق کرنے کے عادی ہو چکے تھے۔

لیکن وعظ و نصیحت کرتے ہوئے یہ امر شدت کے ساتھ ملحوظِ خاطر رہنا چاہیئے کہ نصیحت اس طریقہ سے کی جائے کہ جس سے مخاطب اثر پذیر ہو سکے۔ اس کے لئے دلسوزی، خیرخواہی، ہمدردی اور عزت و احترام کا ملحوظ رکھنا نہایت ضروری ہے۔ یہ طریقہ نصیحت کہ جس سے اس میں یہ احساس پیدا ہو کہ نصیحت کرنے والا اپنے آپ کو بہتر اور مجھے اپنے سے ذلیل سمجھ رہا ہے۔ وہ طریقہ ہے جس سے اس میں اور بھی ضد اور ہٹ دھرمی پیدا ہو جاتی ہے۔ یہ طریقہ غلط ہے۔ ایسی نصیحت سے تو نصیحت نہ کرنا بہتر ہے۔ نصیحت کرنا تو ایک طرف دل آزاری کے ساتھ کسی کی مدد کرنا بھی اپنے اثرات کھو دیتا ہے۔

قَوْلٌ مَّعْرُوفٌ وَّمَغْفِرَةٌ خَيْرٌ مِّنْ صَدَقَةٍ يَّتْبَعُهَآ اَذًى (۲/۲۶۳)

مناسب بات اور درگذر ایسے صدقہ سے کہیں بہتر ہے جس کے ساتھ دل آزاری کے تیر چبھے ہوئے ہوں۔

درست بات

جب کسی سے بات کرو تو ٹھیک ٹھیک اور صاف صاف بات کرو۔ اینچ پیچ اور داؤ گھات کی باتیں نہ کرو تاکہ مخاطب کو تمہاری بات سمجھنے میں دشواری نہ ہو اور وہ تمہارے ہیر پھیر سے کسی قسم کا دھوکہ نہ کھائے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَقُوْلُوْا قَوْلًا سَدِيْدًا (۳۳/۷۰)

اے پیروانِ دعوتِ ایمانی خدا کے قوانین کی نگہداشت کرو اور صاف اور سیدھی بات کہو۔

یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم نے ایسے ذومعنی الفاظ بولنے سے بھی منع کیا، جن کا کوئی پہلو برا ہو یا جن سے طنز کا پہلو نکلتا ہو۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقُوْلُوْا رَاعِنَا وَقُوْلُوا انْظُرْنَا وَاسْمَعُوْا ۗ وَلِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابٌ اَلِيْمٌ (۲/۱۰۴)

اے پیروانِ دعوتِ ایمانی! رسول اللہ سے مخاطب کرتے وقت رَاعِنَا نہ کہو بلکہ اُنْظُرْنَا کہو اور اسے اچھی طرح سن لو۔ یاد رکھو کہ کافروں کے لئے دردناک عذاب ہے۔

رَاعِنَا کے معنی ہماری رعایت فرمایئے کے ہیں لیکن ایک دوسرا برا پہلو بھی نکل سکتا تھا۔ اس لئے اس لفظ کے استعمال کرنے سے منع کر دیا گیا اور اس کے بجائے اُنْظُرْنَا (ہمیں مہلت دیجئے۔ ہمیں غور سے دیکھئے) کا لفظ استعمال کرنے کی تعلیم دی گئی۔

ساتھ ہی حکم دیا گیا کہ جب بات کرو تو نرم آواز سے بات کرو۔ چیخ چیخ کر بولنا کوئی اچھی عادت نہیں ہے۔

وَاغْضُضْ مِنْ صَوْتِكَ ۭ اِنَّ اَنْكَرَ الْاَصْوَاتِ لَصَوْتُ الْحَمِيْرِ (۳۱/۱۹)

اور اپنی آواز کو ذرا پست اور نرم رکھا کرو۔ بے شک سب آوازوں میں مکروہ ترین آواز گدھے کی آواز ہوتی ہے۔

جب لوگوں سے ملو تو خندہ پیشانی سے ملو۔ ہر وقت تیوری چڑھی نہ رہے بلکہ جس سے ملو منہ پھیر کر بات نہ کرو۔

وَلَا تُصَعِّرْ خَدَّكَ لِلنَّاسِ (۳۱/۱۸)

لوگوں سے بے رخی سے اپنے گال پھلائے نہ رکھو

ایک دوسرے کا مذاق نہ اڑاؤ اور نہ ہی ایک دوسرے پر اعتراض کرو۔ ساتھ ہی یہ بھی کہ لوگوں کو برے اور دل آزار القاب سے نہ پکارو۔ تمہیں کیا معلوم کہ جن لوگوں کا مذاق اڑاتے ہو وہ میزانِ خداوندی میں تم سے بہتر ہوں؟

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا يَسْخَرْ قَوْمٌ مِّن قَوْمٍ عَسَىٰ أَن يَكُونُوا خَيْرًا مِّنْهُمْ وَلَا نِسَاءٌ مِّن نِّسَاءٍ عَسَىٰ أَن يَكُنَّ خَيْرًا مِّنْهُنَّ ۖ وَلَا تَلْمِزُوا أَنفُسَكُمْ وَلَا تَنَابَزُوا بِالْأَلْقَابِ ۖ بِئْسَ الِاسْمُ الْفُسُوقُ بَعْدَ الْإِيمَانِ ۚ وَمَن لَّمْ يَتُبْ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ ( )

اے پیروانِ دعوتِ ایمانی! تم میں سے کچھ لوگ دوسرے لوگوں کا مذاق نہ اڑائیں۔ ہو سکتا ہے کہ وہ لوگ (جن کا مذاق اڑایا جا رہا ہے) اُن (مذاق اڑانے والوں) سے بہتر ہوں۔ اسی طرح عورتیں بھی دوسری عورتوں کا مذاق نہ اڑائیں۔ ہو سکتا ہے کہ وہ عورتیں ان سے بہتر ہوں۔ نیز طعن و اعتراض کے تیر ایک دوسرے پر نہ چلاؤ اور آپس میں ایک دوسرے کو برے القاب سے نہ پکارو۔ ایمان لے آنے کے بعد اس قسم کے فسق آمیز نام بھی کچھ اچھے نہیں۔ سن رکھو کہ جو لوگ اس روش سے باز نہ آئیں تو سمجھ لو کہ یہی لوگ ظلم کرنے والے ہیں۔

ایک قرآنی معاشرہ میں ان بیہودگیوں کے لئے کوئی گنجائش نہیں نکل سکتی تھی۔ جو بات منہ سے نکالو اچھی طرح ناپ تول اور سوچ سمجھ کر نکالو کہ اس میں دل آزاری اور تحقیر کا کوئی پہلو تو نہیں ہے۔ ایک مومن کی دل آزاری اور تحقیر کوئی معمولی بات نہیں ہے۔ خدا کی میزان میں اس کا بہت بھاری وزن ہے۔

باطل طریقہ پر لوگوں کا مال نہ کھاؤ

آپس میں ایک دوسرے کا مال ناجائز طریقہ پر نہ کھاؤ۔ دھوکہ اور فریب دیگر لوگوں کے اموال پر قبضہ جمانا بہت بری حرکت ہے۔ ایک دوسرے کی چیز باہمی رضامندی یا تجارت کے ذریعہ سے خریدنا اور اپنے تصرف میں لے آنا تو درست ہو سکتا ہے۔ لیکن دوسری ترکیبوں سے لوگوں کے اموال کو اپنے تصرف میں لانا جائز نہیں۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُم بَيْنَكُم بِالْبَاطِلِ إِلَّا أَن تَكُونَ تِجَارَةً عَن تَرَاضٍ مِّنكُمْ ۚ وَلَا تَقْتُلُوا أَنفُسَكُمْ ۚ إِنَّ اللَّهَ كَانَ بِكُمْ رَحِيمًا ( )

اے پیروانِ دعوتِ ایمانی اپنے اموال آپس میں باطل طریقہ پر نہ کھاؤ بجز اس کے کہ تمہاری اپنی رضامندی سے تجارت کے طور پر تم ایک دوسرے کا مال لے لو۔ یاد رکھو۔ اس طرح تم خود کو قتل اور برباد نہ کرو۔ (وہ تمہیں یہ نصیحت اس لئے کرتا ہے کہ) بلاشبہ خدا تم پر بڑا ہی مہربان ہے۔

صاحبانِ اقتدار اور ارکانِ حکومت کو رشوت دے کر دوسروں کے مال پر قبضہ جمانا اور بھی برا ہے یہ نہ سمجھو کہ اس طرح تم قانونی

طور پر عدالت سے فیصلے کرا کر ان اموال کے جائز مالک بن جاؤ گے۔ جو چیز تمہاری نہیں ہو وہ ہزار عدالت کے فیصلوں سے بھی تمہاری نہیں بن سکتی۔ اس طریقہ پر لوگوں کا مال اڑا لینے اور مفت کے مال پر داد عیش دینے سے خود تمہاری فطرت میں کمزوری، دون ہمتی اور سست روی کی برائیاں ہی پیدا ہو سکتی ہیں۔ اس کے بعد تم اس قابل نہیں رہو گے کہ زندگی میں کچھ کر کے دکھا سکو۔ اور جد و جہد حیات میں کوئی کام سرانجام دے سکو۔ تمہاری اس روش زندگی سے یاد رکھو کہ تم میں کوئی خوبی پیدا نہیں ہو سکتی۔ ذرا سی دیر کی یہ عیش سامانی تمہارے کیریکٹر کو داغدار اور تمہاری ذات اور انا (Personality) کو زندگی کی راہ میں بہت پیچھے دھکیل دیتی ہے۔

وَلَا تَأْكُلُوٓا أَمْوَالَكُم بَيْنَكُم بِالْبَاطِلِ وَتُدْلُوا بِهَآ إِلَى الْحُكَّامِ لِتَأْكُلُوا
فَرِيقًا مِّنْ أَمْوَالِ النَّاسِ بِالْإِثْمِ وَأَنتُمْ تَعْلَمُونَ ۔ (۲/۱۸۸)

اور تم اپنے مال آپس میں باطل اور ناحق طریقہ پر نہ کھاؤ کہ ان اموال کے ذریعہ حکام تک رسائی حاصل کر کے لوگوں کے اموال کا ایک حصہ چٹ کر جاؤ۔ اس طرح تم میں دون ہمتی اور سست روی پیدا ہو جائے گی اور یہ ایسی بات ہے جسے تم جانتے ہو۔

حق کا کھانا وہ ہے جو تم اپنے دست و بازو سے کما کر کھاتے ہو۔ رشوتیں دے دلا کر دوسروں کا مال اڑا لینا اور اسے ہضم کر جانا اور اسی طرح مفت کے مال پر داد عیش دینا ناحق کے ساتھ کھانا کہلاتا ہے۔ اس روش سے ہمیشہ دور رہو۔

اپنی علم و فضیلت کی دھونس جما کر اور لوگوں کو عقیدتمندیوں کے جال میں پھانس کر عوام کی جیبوں پر ڈاکہ ڈالنا اور نذر و نیاز کے طور پر ان سے کچھ وصول کر لینا اور ان نذرانوں پر زندگی بسر کرنا بھی ناحق اور باطل طریقہ پر لوگوں کا مال کھانے میں داخل ہے کیونکہ اس طرح جو مال تم حاصل کرتے ہو وہ اپنے دست و بازو کی محنت سے نہیں کماتے بلکہ جھوٹی عقیدتمندیوں کے سہارے دوسروں کی خون پسینہ کی کمائی پر قبضہ جما لیتے ہو۔ لہذا اس طریق سے جو اموال تم حاصل کرتے ہو وہ بھی باطل طریقہ پر لوگوں کے اموال کھا جانے میں داخل ہے۔

يَآ أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوٓا إِنَّ كَثِيرًا مِّنَ الْأَحْبَارِ وَالرُّهْبَانِ لَيَأْكُلُونَ
أَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ وَيَصُدُّونَ عَن سَبِيلِ اللَّهِ ۔ (۹/۳۴)

اے پیروانِ دعوتِ ایمانی! یقیناً بہت سے صاحبانِ شریعت و طریقت ایسے ہیں جو لوگوں کے مال باطل طریقہ پر کھاتے ہیں۔ اور (اس لئے کہ ان کے حلوے مانڈے میں خلل نہ آ جائے) لوگوں کو خدا کی راہ پر چلنے سے روکتے ہیں۔

ان صاحبانِ شریعت و طریقت میں بہت سے ایسے بھی ہوتے ہیں جو کسی غلط فہمی میں گرفتار نہیں ہوتے بلکہ وہ علیٰ وجہ البصیرت جانتے اور سمجھتے ہیں کہ جس راستہ پر ہم عوام کو لئے چلے جا رہے ہیں وہ راستہ غلط ہے مگر محض اپنے انفرادی مفادات کی خاطر وہ لوگوں کو صحیح بات بتلانے سے کتراتے ہیں اور اس طرح کتمانِ حق کے مرتکب ہوتے ہیں۔ چند سنہری، روپہلی ٹھیکریوں کی خاطر وہ جہنم کے

ایندھن سے اپنی شکم پری کرتے رہتے ہیں۔ حالانکہ اگر وہ ذرا بھی عقل و تدبر سے کام لیں تو انہیں معلوم ہو جائے کہ اس طرح وہ جو کچھ حاصل کرتے ہیں وہ اس نقصان کے مقابلہ میں کوئی قیمت ہی نہیں رکھتا جو وہ اپنی ذات (PERSONALITY) کی نشوونما اور (DEVELOPMENT) کی راہ میں حاصل کرتے جا رہے ہیں۔

اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْتُمُوْنَ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ الْكِتٰبِ وَيَشْتَرُوْنَ بِهٖ ثَمَنًا
قَلِيْلًا ۙ اُولٰۗىِٕكَ مَا يَاْكُلُوْنَ فِىْ بُطُوْنِهِمْ اِلَّا النَّارَ وَلَا يُكَلِّمُهُمُ
اللّٰهُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَلَا يُزَكِّيْهِمْ ښ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝ (۲/۱۷۴)

بلاشبہ جو لوگ ان قوانین و احکام کو چھپاتے ہیں جو خدا نے نازل کئے ہیں اور اس کے عوض سستی قیمت (عزت و شہرت) خریدتے ہیں تو یہ لوگ اپنی شکم پری صرف آگ کے انگاروں سے کر رہے ہیں خدا ان سے قیامت کے دن بات بھی نہیں کرے گا۔ اور نہ انھیں کسی طرح کی نشوونما عطا کرے گا ان کے لئے دردناک عذاب ہوگا۔

کچھ لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں جو زبردست کمزور اور ناتواں افراد کے اموال پر محض اس جرم کی پاداش میں قبضہ جما لیتے ہیں کہ وہ مصیبت زدہ ہیں تنہا رہ گئے ہیں اور خود کو بے کس اور لاچار محسوس کرتے ہیں۔ ان میں یہ طاقت نہیں ہے کہ وہ اپنے حق دوسروں سے حاصل کر سکیں یا ان کے ہاتھ ڈال کر نکالیں اور ظالموں کے چنگل سے اپنے حقوق کو محفوظ رکھ سکیں۔ ایک قرآنی معاشرہ میں ایسے لوگوں کے لئے بھی کوئی جگہ نہیں ہو سکتی۔ جو لوگ ایسا کرتے ہیں وہ جہنم کے انگاروں سے اپنا پیٹ بھرتے اور اپنی ذات کو اس جھلسا دینے والی آگ میں جھونک دیتے ہیں جو اس کی نشوونما کو جلا کر راکھ کا ڈھیر بنا دیتی ہے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ يَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ الْيَتٰمٰى ظُلْمًا اِنَّمَا يَاْكُلُوْنَ فِيْ بُطُوْنِهِمْ
نَارًا ۭ وَسَيَصْلَوْنَ سَعِيْرًا ۝ (۴/۱۰)

بلاشبہ جو لوگ ظلم کر کے یتیموں کا مال کھا جاتے ہیں وہ آگ کے انگاروں سے اپنی شکم پری کا سامان کرتے ہیں اور یہ لوگ بہت جلد جھلسا دینے والی آگ میں پہونچ کر رہیں گے۔

یہ اصول ہمیشہ پیش نظر رکھو کہ تم صرف ان چیزوں کے مالک ہو جنھیں تم نے جد و جہد اور سعی و عمل سے خود کمایا ہے جو چیزیں تم خود اپنے دست و بازو سے نہیں کماتے بلکہ دھوکہ، فریب، ظلم اور بددیانتی کے ذریعے سے حاصل کر لیتے ہو تم ان کے جائز مالک نہیں ہو سکتے اگر اس قسم کی چیزوں سے تم اپنی شکم پری کا سامان کرتے ہو تو یہ باطل طریقہ پر لوگوں کا مال کھا جانے میں داخل ہے۔

وَاَنْ لَّيْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰى (۵۳/۳۹)

اور یہ بات کہ انسان کے لئے صرف وہی کچھ جائز ہے
جو اس نے سعی کر کے کمایا ہو۔

لہٰذا کسی دوسرے کا مال بغیر حق کے باطل طریقوں سے حاصل کی ہوئی چیزیں تمہاری اپنی ملکیت نہیں ہو سکتیں۔ بعض کے ساتھ دست بدست بازار سے کمائی ہوئی چیزوں میں ہمیں یہ بھی دیکھنا چاہیے کہ جس قدر ہم نے محنت کی ہے اس کے معاوضہ میں ہم جو کچھ حاصل کر رہے ہیں۔ وہ اس کے مطابق ہے یا نہیں۔ اگر ہم نے کم محنت کی ہے اور اس کے عوض میں ہم کچھ زیادہ حاصل کر رہے ہیں تو یہ بھی اکل اموال کو باطل طریقہ پر کھانے میں داخل ہوگا۔

ملازمین کے سلسلہ میں عام طور سے یہ خیال پایا جاتا ہے کہ ہم تو اتنے روپیہ ماہوار کے ملازم ہیں۔ ہم روزانہ مقررہ وقت پر دفتر آتے ہیں اور ڈیوٹی کے اوقات پورے کر کے اپنے گھر چلے جاتے ہیں۔ جتنے وقت کے ہم ملازم ہیں اتنا وقت پورا کرنے کے بعد مہینہ ختم ہو جانے پر ہماری تنخواہ واجب ہو جاتی ہے اور وہ ہمارے لئے قطعی حلال ہے۔ لیکن اس میں اس نکتہ کو ہمیشہ نظر انداز کر دیا جاتا ہے کہ ملازمت صرف وقت ہی کی نہیں ہوتی بلکہ وقت کے ساتھ ساتھ کام کی بھی ہوتی ہے۔ دفتر میں آپ سے متعلق کچھ کام بھی ہوتے ہیں اور ان کاموں کو سرانجام دینا بھی آپ کا فریضہ ہے اور مہینہ ختم ہو جانے کے بعد آپ کو یہ بھی دیکھنا ہوگا کہ جتنا معاوضہ یا تنخواہ دی جا رہی ہے آیا ہم نے دفتر میں اس کے بقدر کام بھی سرانجام دیا ہے یا نہیں۔ اگر تنخواہ کے بقدر ہم نے کام بھی سرانجام دیا ہے تو یہ تنخواہ ہمارے لئے حلال ہے۔ لیکن اگر ہم نے دفتر میں بیٹھ کر اپنے مفوضہ کام سرانجام نہیں دیے۔ [illegible] تبصرے کئے ہیں۔ جس میں ایک دوسرے کے ساتھ گپیں ہانکی ہیں یا مسئلے حل کئے ہیں تو ہم نے وقت کی گنتی کی پابندی تو کی ہوگی لیکن یہ تنخواہ ہمارے لئے حلال نہیں ہو سکتی۔ (یعنی کام کے جو اوقات مقرر ہیں ان کے مطابق وقت پر دفتر میں پہنچیں اور پورا وقت کام میں صرف کریں تو رزق کے حلال ہونے کے لئے ضروری ہے۔ اگر آپ ٹھیک وقت پر دفتر نہیں جاتے اور پھر پورا وقت کام میں صرف نہیں کرتے تو آپ کا رزق حلال نہیں کہلا سکتا۔

اس کے بالمقابل دوسری طرف مالکان (EMPLOYERS) کو بھی یہ دیکھنا ہوگا کہ وہ اپنے ملازمین سے جس قدر کام لے رہے ہیں ان کو اتنا معاوضہ وہ ادا کر رہے ہیں یا نہیں۔ اگر وہ ان کو ان کے کام کا صحیح معاوضہ ادا کر رہے ہیں تو ٹھیک ہے اور اگر وہ ان کو ان کی محنت کا صحیح معاوضہ ادا نہیں کر رہے ہیں تو وہ ان کا حق دبا رہے ہیں اور اس طرح باطل طریقہ پر ان کا مال کھانے کے مرتکب ہو رہے ہیں۔

عام طور پر یہ سمجھا جاتا ہے کہ ایک ملازم کو ملازم رکھتے وقت جس قدر تنخواہ پر معاملہ طے ہو جائے وہ اس کی ملازمت کا صحیح اور جائز معاوضہ ہوتا ہے لیکن ایسا سمجھ لینا غلط ہے۔ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ ایک ملازمت کرنے والا حالات کی ناسازگاری اور بیروزگاری سے مجبور ہو کر کم معاوضہ پر بھی راضی ہو جاتا ہے مگر یہ رضامندی اس کی دلی رضامندی نہیں ہوتی بلکہ مجبوری کی رضامندی ہوتی ہے۔ بالکل ویسی ہی رضامندی جیسی ایک مجبور آدمی کی رضامندی قرض لیتے ہوئے سود کی ادائیگی پر حاصل کر لی جاتی ہے۔ ایسی رضامندی کا کوئی اعتبار نہیں کیا جا سکتا۔ اس مقصد کے لئے دراصل (MARKET VALUE) کو دیکھنا ہوگا اور اس کو ملحوظ رکھ کر یہ فیصلہ کرنا ہوگا کہ جو معاوضہ ہم اپنے ملازم کو دے رہے ہیں وہ بازار کے نرخ سے جائز اور واجب ہے یا نہیں۔

اس کے ساتھ ہی مالکان کو اس کا بھی خیال رکھنا ہوگا کہ جس کام کے لئے کسی ملازم کو رکھا گیا ہے اس سے زیادہ [illegible]

محنت نہ لی جائے۔ اگر اس کام کے علاوہ دوسری بیگاریں بھی اس سے لی جاتی ہیں تو یہ بھی سراسر ظلم اور ناانصافی میں داخل ہے۔ ان دوسری بیگاروں کا اس کو الگ معاوضہ ملنا چاہیئے۔ گر ملازم کو ان بیگاروں کا الگ معاوضہ نہیں دیا جاتا تو اس طرح مالکان اپنے ملازمین کے حقوق کو غصب کرنے کے مرتکب ہوتے ہیں۔ اور اس طرح وہ دوسروں کے اموال باطل طور پر کھانے کی وعید میں داخل ہیں۔ قرآنی معاشرہ میں ان ناہمواریوں کی قطعاً کوئی گنجائش نہیں ہے۔ اس سلسلہ میں قرآن کریم کی اصولی ہدایت یہ ہے کہ

فَاَوْفُوا الْكَيْلَ وَالْمِيْزَانَ وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ اَشْيَاءَهُمْ وَلَا
تُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ بَعْدَ اِصْلَاحِهَا ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ
كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ (۷/۸۵)

لہٰذا تم تول پورا پورا رکھو اور لوگوں کو ان کی چیزیں (واجبات) ادا کرنے میں کمی نہ کرو۔ زمین میں
ہمواری پیدا کرنے کے بعد ناہمواریاں پیدا کر کے فساد نہ پھیلاؤ۔ اگر تم واقعی مومن ہو تو یہی تمہارے
لئے بہتر ہے

لہٰذا معاوضہ دیتے وقت اور معاوضہ لیتے وقت، دونوں موقعوں پر ہمیں یہ دیکھنا چاہیئے کہ ہماری جانب سے فریق دوم کے حقوق میں کوئی کمی تو نہیں ہو رہی ہے۔ اگر کوئی کمی ہو رہی ہے تو ہمیں فوراً اس کی تلافی کرنی چاہیئے۔ ورنہ اس طرح ہم دوسروں کے اموال باطل طور پر کھا جانے کے مرتکب ہو جاتے ہیں۔

اس حقیقت کا سمجھ لینا بھی ضروری ہے کہ اگر آپ کسی وقت محسوس کریں کہ ملازم رکھنے والا آپ کی محنت کا پورا پورا معاوضہ نہیں دیتا۔ اور اس کا حل یہ تجویز کر لیں کہ آپ نے جس قدر کام کرنے کی بات طے کی تھی اس میں سستی اور کوتاہی شروع کر دیں۔ تو یہ طریق بھی غلط ہوگا۔ آپ کو بات صاف کر لینی چاہیئے۔ اور اگر آپ دیکھیں کہ اس معاوضہ میں آپ اس کی ملازمت نہیں کر سکتے تو آپ کو کسی دوسری جگہ کام تلاش کر لینا چاہیئے۔ ایک غلط کام کی تلافی مقابل میں غلط کام کرنے سے نہیں کی جا سکتی۔

دو درخواستیں

دفتر طلوعِ اسلام میں ذیل کی دو درخواستیں موصول ہوئی ہیں:۔

(۱) ماہنامہ طلوعِ اسلام کا مطالعہ پاکستان آنے کے بعد دو مرتبہ کیا ہے۔ مگر دعوت کا جہاں تک تعلق ہے اس کا اثر اپنے جذباتِ شوق پر پوری طرح نہیں ڈال سکا۔ شوق از حد رکھتا ہوں مگر اپنی ناگفتہ بہ حالت کی وجہ سے اتنی وسعت نہیں پاتا کہ آپ کی دعوت کا مکمل لٹریچر قیمت سے منگوا سکوں۔

(۲) ادارہ طلوعِ اسلام کی کتابیں پڑھنے کا بیحد شوق ہے لیکن غربت خریدنے میں مانع ہے اسلئے میں ہزارہا خریداران صاحب حاجت افراد کی خدمت میں درخواست کرتا ہوں کہ مجھے جو نئے نور اور برق طور دو کتابیں بھیج دیں فی سبیل اللہ میرے نام روانہ فرما دیں اللہ پاک آپ کو جزائے خیر دے گا۔

(م) اور (ح) معرفت ادارہ طلوعِ اسلام۔ کراچی۔

حقائق و عبر

سو دفعہ رسول اور نبی

ہمارے زمانہ میں مرزائیوں (احمدیوں) کی جماعت بڑی دلچسپ واقع ہوئی ہے۔ ان کے دو گروہ ہیں ایک قادیانی اور دوسرے لاہوری (لاہوریوں کو قادیانی، غیر مبایعین کہتے ہیں۔ یعنی وہ جنہوں نے خلیفۃ المسیح ثانی مرزا بشیر الدین محمود کی بیعت نہیں کی)۔ ان دونوں میں بنیادی اختلاف یہ ہے کہ قادیانی، مرزا صاحب کو نبی مانتے ہیں اور لاہوری انہیں نبی نہیں مانتے۔ مجدد اور مثیل مسیح وغیرہ مانتے ہیں۔

دلچسپی کی بات یہ ہے کہ قادیانی حضرات جب غیر احمدیوں سے بات کرتے ہیں تو ان سے صاف کہہ دیتے ہیں کہ ہم مرزا صاحب کو نبی اور رسول نہیں مانتے۔ لیکن لاہوریوں کے ساتھ اسی نقطہ پر ہمیشہ لڑتے جھگڑتے رہتے ہیں۔ اسی ضمن میں قادیانیوں (یعنی اہل ربوہ) کے ترجمان، الفرقان کی ستمبر۔ اکتوبر ۱۹۶۸ء کی اشاعت میں، امیر عالم صاحب کا ایک مضمون شائع ہوا ہے جس کا عنوان ہے۔

وحی مقدس میں حضرت مسیح موعود کی شان میں

قریب ایک سو دفعہ رسول اور نبی کے الفاظ کا استعمال

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ قارئین طلوع اسلام بھی اس سے محظوظ ہوں۔ چنانچہ اس مضمون کو من وعن ذیل میں درج کیا جاتا ہے۔

> حضرت مسیح موعود کے دعوٰئے نبوت کے بارے میں غیر مبایعین کی افسوسناک روش سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ یا تو حضرت مسیح موعود کی کتب کا بغور مطالعہ نہیں کرتے یا محض ضد اور مخالفت سے کام لے رہے ہیں۔ یہ مرض ان میں اس قدر بڑھ گیا ہے کہ ان کی اگلی نسل حضرت مسیح موعود کے منصب اور آپ کی تعلیم سے سراسر ناواقف ہوتی جارہی ہے۔ اور غیر احمدیوں کی طرح ان کا مقصد حیات جماعت احمدیہ کی مخالفت کرنا رہ گیا ہے۔ اگر وہ حضرت مسیح موعود کے لٹریچر کا مطالعہ دیانتداری سے کریں تو ان کی مخالفت باسانی ختم ہو سکتی ہے اور انہیں معلوم ہو جائے گا کہ ان کا رویہ سراسر حضرت مسیح موعود کی تعلیم اور آپ کے ارشادات کے منافی ہے۔
>
> حضرت مسیح موعود کے دعوئے نبوت کو سمجھنے کے لئے ضروری ہے کہ آپ کی وحی پر غور کیا جائے اور دیکھا جائے کہ آیا خدا تعالیٰ نے آپ کو رسول اور نبی کے الفاظ سے پکارا ہے یا نہیں۔ اگر آپ کو رسول اور نبی کے الفاظ سے پکارا گیا ہو تو ای کا

حق نہیں کہ وہ پھر آپ کی رسالت اور نبوت سے انکار کرے۔ ذیل میں کتاب تذکرہ سے آپ کی وہ وحی پیش کی جاتی ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے آپ کو نبی اور رسول کے الفاظ سے مخاطب کیا ہے۔

(۱) ھو الذی ارسل رسولہ بالھدیٰ و دین الحق لیظھرہ علی الدین کلہ صفحہ ۴۵، ۲۲۱، ۲۷۶، ۳۶۳، ۳۶۵، ۳۷۷، ۳۹۸، ۴۰۷، ۴۹۶، ۶۰۰، ۶۰۱، ۶۲۱ ـ ۱۲ دفعہ

(۲) جری اللہ فی حلل الانبیاء۔ صفحہ ۸۱، ۶۳۰ ـ دو دفعہ

(۳) دنیا میں ایک نذیر آیا۔ صفحہ ۱۰۸، ۱۹۰، ۲۸۵، ۳۶۲، ۴۱۰، ۶۳۶ ـ ۶ دفعہ

(۴) دنیا میں ایک نبی آیا۔ صفحہ ۱۰۰ دو دفعہ

(۵) کتب اللہ لاغلبن انا و رسلی۔ صفحہ ۱۱۱، ۲۰۲، ۳۶۳، ۳۹۸، ۴۰۳، ۴۹۱، ۵۱۶، ۵۱۰، ۵۰۰، ۵۸۴، ۶۲۳ ـ ۱۱ دفعہ

(۶) جری اللہ فی حلل المرسلین۔ صفحہ ۲۴۷، ۳۹۶ ـ دو دفعہ

(۷) وقل یا ایھا الناس انی رسول اللہ الیکم جمیعا۔ صفحہ ۳۶۰ ـ ایک دفعہ

(۸) یوم یعض الظالم علی یدیہ ـ یالیتنی اتخذت مع الرسول سبیلا۔ صفحہ ۳۸۲، ۴۰۲ ـ دو دفعہ

(۹) انی مع الرسول اقوم۔ صفحہ ۴۰۴، ۴۱۵، ۴۳۴، ۴۳۵، ۴۶۴، ۴۶۶، ۴۹۷، ۵۰۰، ۵۲۴، ۵۲۸، ۵۰۰، ۵۶۸، ۶۲۶، ۶۵۴، ۶۹۲، ۷۰۴، ۷۰۸، ۷۱۲، ۷۲۰، ۷۲۱، ۷۵۲ ـ ۲۱ دفعہ

(۱۰) انی مع الرسول اجیب اخطی و اصیب انی مع الرسول محیط ـ ۱۰ دفعہ

(۱۱) یٰسین والقرآن الحکیم انک لمن المرسلین صفحہ ۶۰۰ ـ ایک دفعہ

(۱۲) یا احمد جعلت مرسلا۔ صفحہ ۴۹۳ ـ ایک دفعہ

(۱۳) وانی لایخاف لدی المرسلون۔ صفحہ ۴۳۵، ۴۹۵، ۵۶۲، ۵۶۹، ۶۲۳، ۶۳۸، ۶۴۰ ـ سات دفعہ

(۱۴) و یقولون لست مرسلا۔ صفحہ ۴۹۵ ـ ایک دفعہ

(۱۵) وما ارسلناک الا رحمۃ للعالمین۔ صفحہ ۴۰۶ ایک دفعہ

(۱۶) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پناہ گزین ہوئے قلعۂ ہند میں۔ صفحہ ۵۰۶ ایک دفعہ

(۱۷) انی مع الرسول فقط۔ صفحہ ۵۲۱ ایک دفعہ

(۱۸) انی انا الرحمٰن لایخاف لدی المرسلون۔ صفحہ ۵۶۳ ـ ایک دفعہ

(۱۹) انا ارسلنا الیکم رسولا شاھدا علیکم کما ارسلنا الی فرعون رسولا۔ صفحہ ۶۰۲، ۶۰۳، ۶۵۱ تین دفعہ

(۲۰) ما ارسلنا نبیا الا اخزی بہ قوما لا یؤمنون۔ صفحہ ۶۱۴، ۶۳۹ ـ دو دفعہ

(۲۱) یا نبی اللہ کنت لا اعرفک۔ صفحہ ۵۰۰، ۶۱۵۔ دو دفعہ

(۲۲) انی مع الرسول اجیب صفحہ ۶۵۳۔ ایک دفعہ

(۲۳) یٰسین۔ انک لمن المرسلین۔ صفحہ ۶۵۸ ایک دفعہ

(۲۴) لو تطأ قدم العامۃ قدم النبی صفحہ ۵۰۰، ایک دفعہ

(۲۵) بلغت قدم الرسول صفحہ ۵۰۰، ایک دفعہ

(۲۶) وما کنا معذبین حتی نبعث رسولا صفحہ ۲۳۱، ۴۳۳۔ دو دفعہ

(۲۷) یا ایھا النبی اطعموا الجائع والمعتر ایک دفعہ

(۲۸) تو مجھ سے ایسا ہے جیسے انبیائے بنی اسرائیل۔ صفحہ ۱۴۲۔ ایک دفعہ

(۲۹) بشارۃ تلقاھا النبیون۔ صفحہ ۴۶۵، ۵۷۹، دو دفعہ

(۳۰) ایک عزت کا خطاب۔ ایک عزت کا خطاب۔ لک خطاب العزۃ۔ صفحہ ۳۴۷ تین دفعہ

میزان = ۶۵ دفعہ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں قرآن مجید میں کم و بیش ڈیڑھ سو دفعہ رسول اور نبی کے الفاظ کا استعمال ہوا ہے۔ اور دوسرے انبیاء کی شان میں چند دفعہ یہ الفاظ وارد ہوئے ہیں۔ کسی مسلمان کو زیبا نہیں ہے کہ وہ ان انبیاء کی نبوت یا رسالت سے انکار کر سکے۔ کیونکہ خدا تعالےٰ کا ایک دفعہ کا فرمان بھی اسی طرح واجب التسلیم ہے جس طرح اس سے زائد کا۔ براہین احمدیہ کے زمانہ سے کر آخیر عمر تک حضرت مسیح موعود کو قریباً ایک سو دفعہ نبی اور رسول کہہ کر وحی مقدس میں پکارا گیا ہے۔ اب جبکہ بار بار خدا تعالےٰ نے حضرت مسیح موعود کو نبی اور رسول کے نام سے مخاطب کیا ہو تو کیا کسی مبائع کی طاقت ہے کہ آپ کو نبی اور رسول ماننے سے انکار کرے؟ آیت مبارکہ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ کی تعمیل میں ہمارا فرض ہے کہ ہم صدق دل سے خدا تعالےٰ کے حکم کے آگے سر تسلیم خم کر دیں۔ ورنہ ہم خدا تعالےٰ کی نافرمانی کرنے والے ہوں گے۔

اس کے بعد یہ بات قابل غور ہے کہ حضرت مسیح موعود نے خدا تعالیٰ کی مقدس وحی کے الفاظ رسول اور نبی کو کیسے قبول کیا۔ آپ فرماتے ہیں:۔

(۱) میں اس خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں جس کے ہاتھ میں میری جان ہے۔ کہ اسی نے مجھے بھیجا ہے اور اسی نے میرا نام نبی رکھا ہے۔ (تتمہ حقیقت الوحی صفحہ ۶۸)

(۲) "صریح طور پر نبی کا خطاب مجھے دیا گیا۔ (حقیقۃ الوحی صفحہ ۱۵۰)

ـہ الفرقان۔ بہت سے الہامات بار بار بھی نازل ہوئے ہیں۔

(۳) "میں اپنی نسبت نبی یا رسول ہونے سے کیسے انکار کر سکتا ہوں۔" (ایک غلطی کا ازالہ صفحہ)

(۴) "میں خدا کے حکم کے موافق نبی ہوں" (آخری خط مندرجہ اخبار عام لاہور)

(۵) "ہمارا دعویٰ ہے کہ ہم رسول اور نبی ہیں" (بدر ۵ مارچ ۱۹۰۸ء)

(۶) "جس حالت میں خدا میرا نام نبی رکھتا ہے تو میں کیونکر انکار کر سکتا ہوں۔ میں اس پر قائم ہوں اس وقت تک جو اس دنیا سے گزر جاؤں" (آخری خط مندرجہ اخبار عام۔ لاہور)

(۷) "میں نبی ہوں اور امتی بھی ہوں" (آخری خط مندرجہ اخبار عام لاہور)

(۸) "جس جس جگہ میں نے نبوت یا رسالت سے انکار کیا ہے صرف ان معنوں سے انکار کیا ہے کہ میں مستقل طور پر شریعت لانے والا نہیں ہوں" (ایک غلطی کا ازالہ)

(۹) "اب بجز محمدی نبوت کے سب نبوتیں بند ہیں۔ شریعت والا نبی کوئی نہیں آسکتا۔ اور بغیر شریعت کے نبی ہو سکتا ہے۔"

(تجلیات الٰہیہ صفحہ ۲۵)

(۱۰) "یہ لوگ اسلام کے دشمن ہیں۔ ختم نبوت کے ایسے معنے کرتے ہیں جس سے نبوت باطل ہوتی ہے۔ کیا ہم ختم نبوت کے ایسے معنے کر سکتے ہیں کہ وہ تمام برکات جو آنحضرت صلعم کی پیروی سے ملنی چاہئیں تھیں وہ سب بند ہو گئے"

(چشمہ مسیحی صفحہ ۲۱)

قریباً ایک سو الفاظ نبی اور رسول کے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی شان میں خدا تعالیٰ کی طرف سے وارد ہوئے ہیں۔ اگر یہ الفاظ حضرت مسیح موعود کی تمام تر زندگی پر پھیلا دیئے جائیں تو آپ کی عمر کے ہر سال پر ۱½ کی اوسط ہو جاتی ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ آپ کی زندگی کا کوئی سال لفظ نبی اور رسول کے اطلاق سے خالی نہیں۔ اور اگر دعویٰ سے لے کر آخیر عمر تک سو دفعہ نبی اور رسول کو تقسیم کر دیا جائے تو قریباً تین کی اوسط پڑ جاتی ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے۔ کہ گویا خدا تعالیٰ نے ہر سال تین دفعہ آپ کو رسول اور نبی کے الفاظ سے مخاطب کیا۔ اس سے زیادہ کسی نبی کی نبوت کی اور کیا دلیل ہو سکتی ہے کہ خدا تعالیٰ نے اسے بار بار نبی اور رسول کے لفظ سے پکارا ہو۔ شروع میں دعوئے نبوت تو ایک ہی فرمان الٰہی پر ہر نبی نے کیا ہے۔ اور اس کی نبوت تسلیم کی جاتی رہی ہے۔ یہاں سو دفعہ فرمان الٰہی سننے اور اس سے بھی زیادہ حضرت مسیح موعود کے اپنی کتب میں سمجھانے کے باوجود سب ائمہ ہو کر انکار کیسا؟ حضرت مسیح موعود سو فی صدی نبی ہیں۔

ھل منکم رجل رشید؟

کئی اور طریق ہیں جن کے ذریعہ وحی مقدس سے حضرت مسیح موعود کی نبوت روز روشن کی طرح ثابت ہے۔ فی الحال اسی پر اکتفا کیا جاتا ہے۔ وما علینا الا البلاغ۔

طلوع اسلام مندرجہ بالا مضمون میں شق ۸ کے نیچے لکھا گیا ہے۔

جس جس جگہ میں نے نبوت یا رسالت سے انکار کیا ہے صرف ان معنوں سے انکار کیا ہے کہ میں مستقل طور پر شریعت لانے والا نہیں ہوں۔ (ایک غلطی کا ازالہ)

لیکن یہ بھی فریب دہی ہے۔ میرزا صاحب اپنے آپ کو صاحب شریعت نبی قرار دیتے تھے اور اپنی تعلیم کو قرآنی احکام کا ناسخ بتاتے تھے۔ مثال کے طور پر ذیل کے دو حوالے ملاحظہ فرمائیے۔ وہ (اربعین ۴ ۔ صفحہ ۶ ۔ مع حواشی میں) لکھتے ہیں۔

یہ بھی تو سمجھو شریعت کیا چیز ہے؟ جس نے اپنی وحی کے ذریعے چند امر و نہی بیان کئے اور اپنی اُمت کے لئے ایک قانون مقرر کیا وہی صاحب شریعت ہو گیا۔ میری وحی میں امر بھی ہے اور نہی بھی۔۔۔۔ چونکہ میری تعلیم میں امر بھی ہے اور نہی بھی۔ اور شریعت کے ضروری احکام کی تجدید ہے۔ اس لئے خدا تعالیٰ نے میری تعلیم کو اور اس وحی کو جو میرے پر ہوئی ہے فلک یعنی کشتی کے نام سے موسوم کیا ہے۔

اسی کتاب میں آگے چل کر (صفحہ ۱۵ پر) لکھا ہے۔

جہاد یعنی دینی لڑائیوں کی شدت کو خدا تعالیٰ آہستہ آہستہ کم کرتا گیا۔ حضرت موسیٰ کے وقت میں اس قدر شدت تھی کہ ایمان لانا بھی قتل سے نہیں بچا سکتا تھا اور شیر خوار بچے بھی قتل کئے جاتے تھے[1]۔ پھر ہمارے نبی کے وقت میں بچوں اور بڈھوں اور عورتوں کا قتل کرنا حرام کیا گیا۔ اور پھر بعض قوموں کے لئے بجائے ایمان[2] کے صرف جزیہ دے کر مواخذہ سے نجات پانا قبول کیا گیا۔ اور پھر مسیح موعود (یعنی میرزا صاحب) کے وقت جہاد کا حکم موقوف کر دیا گیا۔

یہ ہیں "حضرت میرزا صاحب" جنھیں سو مرتبہ رسول اور نبی کہہ کر پکارا گیا اور جن کی شریعت نے قرآن کے احکام کو بھی منسوخ کر دیا!

(۲) **اسلامی تہذیب سے متعلق کتاب** — شعبۂ اطلاعات، ریاستہائے متحدہ امریکہ (پاکستان) کے نیوز بلیٹن مورخہ ۱۷ نومبر ۱۹۵۳ء میں ذیل کی خبر شائع ہوئی ہے۔

امریکہ کے نجی ادارہ، راک فیلر فاؤنڈیشن نے کل جن امدادی رقوم کا اعلان کیا ہے ان میں سے ایک کثیر رقم حسب ذیل کاموں پر خرچ کی جائے گی۔

(۱) اسلامی تہذیب سے متعلق کتاب کی تیاری۔

——— ٭ —— ٭ —— ٭ ———

اسلامی تہذیب سے متعلق کتاب کیلیفورنیا یونیورسٹی شائع کرے گی۔ اس کے لئے ۳۲ ہزار ڈالر کی رقم مخصوص کی گئی ہے۔ یہ کتاب یونیورسٹی میں اسلام کا مطالعہ کرنے والوں کے لئے تیار کی جا رہی ہے۔

---

[1] کیا قرآن سے اس کی شہادت پیش کی جا سکتی ہے؟

[2] قرآن جنگ کے ذریعے لوگوں کو ایمان لانے پر مجبور نہیں کرتا۔

یہ خبر مسلمانانِ عالم کے لئے وجہ مسرت و اطمینان ہونی چاہیئے کہ ایک غیر مسلم یونیورسٹی کے زیرِ نگرانی، اسلامی تہذیب سے متعلق کتاب مرتب اور شائع کرنے کے لئے اس قدر کثیر رقم وقف کی ہے۔ اسلام کے متعلق امریکہ اور دیگر مغربی ممالک میں جس قدر لٹریچر شائع ہوا ہے اور ہو رہا ہے، اس کے پیشِ نظر، مذکورہ صدر کتاب کے سلسلہ میں بھی لامحالہ یہی ہوگا کہ۔

(۱) یا تو کچھ ایسے مستشرقین جمع ہو جائیں گے جو دانستہ اس قسم کی کتاب مرتب کریں گے جو اسلام کو گھناؤنی شکل میں پیش کرے۔ اور یا

(۲) اس کام کو ایسے اہلِ قلم اپنے ہاتھ میں لیں گے جو نہایت نیک نیتی سے کتاب مرتب کرنا چاہیں۔

ہم بدظنی سے کام نہ لیتے ہوئے، پہلی شکل کو سردست صرفِ نظر کرتے ہیں۔ اور دوسری صورت کو سامنے لاتے ہیں۔ سوال یہ ہے کہ ان لوگوں کے پاس وہ کونسا مواد (Material) ہوگا جس سے یہ اسلامی تہذیب سے متعلق کتاب مرتب کریں گے؟ لامحالہ انہیں یہ مواد ہماری کتبِ تاریخ ہی سے مل سکے گا۔ ہماری ان کتابوں میں سچ کے ساتھ جس قدر جھوٹ ملا ہوا ہے وہ اربابِ نظر سے پوشیدہ نہیں۔ اسلام اور ہمارے بزرگانِ کرام کے خلاف آج تک جو کچھ لکھا گیا ہے (اور لکھا جا رہا ہے) اس کا مواد انہی کتابوں سے لیا گیا (اور لیا جاتا) ہے۔ چنانچہ ہوگا یہ (جیسا کہ ہوتا چلا آیا ہے) کہ جب یہ کتاب شائع ہو کر سامنے آئے گی تو سارے عالمِ اسلام میں دہائی مچ جائے گی کہ اس میں فلاں بات خلافِ اسلام ہے اور فلاں بات سے ہمارے اسلاف کی توہین ہوتی ہے۔ اور اگر اس قسم کا شور نہ بھی مچا، تو بھی یہ کتاب اپنا (خلافِ اسلام) اثر پیدا کرتی رہے گی۔ نتیجہ ہر حال میں یہ ہوگا کہ ایک غیر مسلم ادارہ کی طرف سے اس قدر صرفِ کثیر اور محنت، اسلام اور مسلمانوں کے لئے مفید ثابت ہونے کی بجائے مُضر نتائج کا موجب بن جائیں گے۔

سوال یہ ہے کہ ان حالات میں کرنے کا کام کیا ہے؟ کرنے کا کام یہ ہے کہ اسلام (اور مسلمانوں) کی ایک ایسی تاریخ مرتب کی جائے جو ان تمام خرافات سے پاک ہو جو ہمارے لٹریچر میں کسی نہ کسی طرح راہ پا چکی ہیں۔ اس کے بعد، دنیا سے کہہ دیا جائے کہ ہماری یہ تاریخ مستند ہے۔ اس کے علاوہ، قدیم یا جدید لٹریچر میں سے کوئی چیز قابلِ سند نہیں ہے۔ لیکن یہ کام افراد کے کرنے کا نہیں۔ ایک اسلامی حکومت کے کرنے کا ہے۔ اور اس کے لئے اسلامیہ جمہوریہ پاکستان سے زیادہ موزوں اور کونسی مملکت ہو سکتی ہے۔ کہ جس نے اپنی ہستی کے جواز کے لئے دلیل ہی یہ پیش کی تھی کہ اس کے ذریعے صحیح اسلامی اقدار کو زندہ کیا جائے گا۔

لیکن ہماری یہ مملکت جن تماشوں میں الجھی ہوئی ہے وہ کسی کی نظروں سے اوجھل نہیں۔ اس کی تو کیفیت یہ ہے کہ

بآدمے نرسیدی — خدا چہ می جوئی؟

خدا تک پہنچنا تو ایک طرف رہا یہ ابھی صفِ آدمیت میں کھڑے ہونے کے بھی قابل نہیں ہو سکی؟ سب سے زیادہ قابلِ افسوس یہ حقیقت ہے کہ ہماری حکومت لاکھوں روپے سالانہ اسلامی اقدار و ثقافت کے احیاء و تحفظ کے نام پر خرچ کر رہی ہے۔ کئی ادارے ہیں جن کی سرپرستی اسی مقصد کے لئے کی جا رہی ہے۔ لیکن یہ صرفِ کثیر کوئی نتیجہ نہیں پیدا کر رہا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جس طرح ہم نے مدتوں سے یہ سمجھ رکھا ہے کہ زکوٰۃ کا روپیہ بانٹ دینے کے بعد کسی اور کام کرنے کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔ اس سے جنت کی الاٹمنٹ یقینی

ہو جاتی ہے۔ اسی طرح ہمارے ارباب حل و عقد نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ نیک نامی اور اسلام دوستی کا سب سے آسان طریقہ یہ ہے کہ حکومت کے خزانۂ عامرہ سے (یعنی عوام سے حاصل کردہ روپیہ میں سے) کچھ رقم اسلام کے نام پر مختلف اداروں کو بانٹ دی جائے۔ اور پھر سمجھ لیا جائے کہ یہ ہمارا سر صدقہ نکل گیا۔ اب سب خیر ہے۔ حالانکہ یہ روپیہ وہ ہے جس کے متعلق اس سے زیادہ کچھ اور کہنے کی ضرورت ہی نہیں رہتی کہ

اک ایک قطرے کا مجھے دینا پڑا حساب
خونِ جگر ودیعتِ مژگانِ یار تھا

یہی وہ حقیقت تھی جس کے اظہار کے لئے بزرشناسِ امانت، حضرت عمرؓ نے کہا تھا کہ خلافت اس چیز کا نام ہے کہ دیکھا جائے کہ روپیہ حاصل کس طرح سے کیا جاتا ہے اور خرچ کہاں کیا جاتا ہے؟ جس دن ہمارے روپیہ بانٹنے والوں میں کوئی ایسا اللہ کا بندہ آ گیا جس نے یہ دیکھنا اپنا فریضہ سمجھا کہ جو روپیہ بانٹا جاتا ہے وہ خرچ کہاں ہوتا ہے، اس دن دیکھئے گا کہ اسی روپے سے کیا کام نکل آتے ہیں!

بہرحال، ضرورت اس امر کی ہے کہ زیادہ نہیں تو دو چار کتابیں ہی ایسی مرتب اور شائع ہو جائیں جنہیں ہم یہ کہہ کر دنیا کے سامنے پیش کر سکیں کہ یہ اسلام اور مسلمانوں کی صحیح تصویر پیش کرتی ہیں۔ اس وقت ہماری کوتاہ دامنی کا یہ عالم ہے کہ دنیا کی کسی زبان میں کوئی انسانی تصنیف ایسی نہیں جسے ہم یہ کہہ کر کسی کو دے سکیں کہ اس سے آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ اسلام کیا ہے۔ کیا کسی قوم کی محرومی کی اس سے بین مثال کوئی اور بھی ہو سکتی ہے کہ وہ دنیا کے مختلف حصوں میں صدیوں سے حکومت کرتی چلی آ رہی ہو۔ اسے علم و تہذیب کے علمبردار ہونے کا دعوےٰ بھی ہو۔ اور اس کی حالت یہ ہو کہ اس کے ہاں ایک کتاب ایسی نہ ہو جسے وہ اپنے دین اور مسلک کے ترجمان ہونے کی حیثیت سے دنیا کے سامنے پیش کر سکے۔! یا للعجب۔

---

(۳) رفتہ رفتہ۔ بتدریج

پاکستان کا دستور شروع ۱۹۵۶ء میں منظور ہوا۔ اس پر ارباب مذہب، بالخصوص جماعت اسلامی کی طرف سے شادیانے بجائے گئے کہ اس سے مملکت پاکستان مسلمان ہو گئی ہے۔ طلوعِ اسلام نے اس پر تنقید کرتے ہوئے دستور کی ان شقوں کو نمایاں طور پر بیان کیا جو صریحاً اسلامی تعلیم کے خلاف جاتی تھیں۔ ان میں ایک شق یہ بھی تھی کہ اس دستور کی رو سے، پاکستان کی مجالس قانون ساز میں غیر مسلم اراکین کو بھی شریک کیا گیا ہے اور یہ چیز بنیادی طور پر اسلام کے خلاف ہے۔ ایسی شق کی موجودگی میں اس آئین کو کس طرح اسلامی کہا جا سکتا ہے؟ اس دوران میں کتنی مرتبہ، مختلف سلسلوں میں، طلوعِ اسلام نے اس حقیقت کو دہرایا۔ لیکن مذہبی جماعتوں میں سے کسی نے بھی اس کے متعلق ایک لفظ نہ لکھا۔ گویا ان کے نزدیک یہ بات کچھ اہمیت ہی نہیں رکھتی تھی۔

۲۰/ نومبر کے پاکستان ٹائمز میں، سید ابوالاعلیٰ صاحب مودودی کی ایک تقریر شائع ہوئی ہے جو انھوں نے لائلپور میں کی تھی۔ اس تقریر میں وہ کہتے ہیں۔

"اصولی طور پر، ایک اسلامی مملکت میں، کسی غیر مسلم کو اس کی اجازت نہیں دی جا سکتی کہ وہ قانون سازی کے

کام ہیں شرکت کرسکے - لیکن چونکہ پاکستان ایک آئیڈیل اسلامی مملکت نہیں اور اس کے لئے ایک عبوری دور سے گزرنا ناگزیر ہے اس لئے اس کی مجالس قانون ساز میں غیر مسلموں کی شرکت کو ایک ضروری شر (NECESSARY EVIL) سمجھنا چاہیئے۔

غنیمت ہے کہ ڈیڑھ دو سال کے بعد ہی سہی - اس کا اعتراف تو ہوا کہ ایک اسلامی مملکت میں غیر مسلموں کو قوانین شریعت کی تدوین میں شرکت کی اجازت نہیں دی جاسکتی - لیکن اس ضمن میں دو ایک اہم سوالات سامنے آتے ہیں - پہلا یہ کہ جب یہ آئین منظور ہوا ہے تو کیا جماعت اسلامی اور مودودی صاحب نے کہیں یہ کہا تھا کہ یہ شق تو غیر اسلامی ہے لیکن اسے محض عبوری دور کے لئے برداشت کیا جاسکتا ہے ؟

دوسرا سوال یہ ہے کہ جب آئین میں یہ شق موجود ہے کہ پاکستان میں کوئی قانون ایسا نافذ نہیں کیا جاسکتا جو کتاب و سنت کے خلاف ہو (اس کے لئے عبوری دور کی کوئی استثنا نہیں ہے) تو کیا غیر مسلموں کو اس کا اختیار دیا جاسکتا ہے (وہ کچھ وقت کے لئے ہی سہی) کہ وہ اس کا فیصلہ کریں کہ فلاں قانون کتاب و سنت کے مطابق ہے یا نہیں ؟ (اس لئے کہ آرا شماری کے وقت یہ بھی تو ہوسکتا ہے کہ غیر مسلموں کی آرا ہی فیصلہ کن ہو جائیں) - کیا وہ قانون جو اس طریق سے مرتب ہو، اسے قانون شریعت قرار دیا جاسکتا ہے ؟

برقِ طور

از پرویز

استبداد ملوکیت کے مجسمہ فرعون - پیشوائیت کی دسیسہ کاریوں کے پیکر ہامان - اور سرمایہ داری کی خون آشامیوں کی تمثیل قارون کے متحدہ محاذ کے خلاف صاحب ضرب کلیم کی نبرد آزمائی اور بنی اسرائیل کے عروج و زوال کی بصیرت افروز اور عبرت انگیز داستان -

قیمت :- چھ روپے (علاوہ محصول ڈاک)

ناظم ادارۂ طلوعِ اسلام - کراچی ۲۹

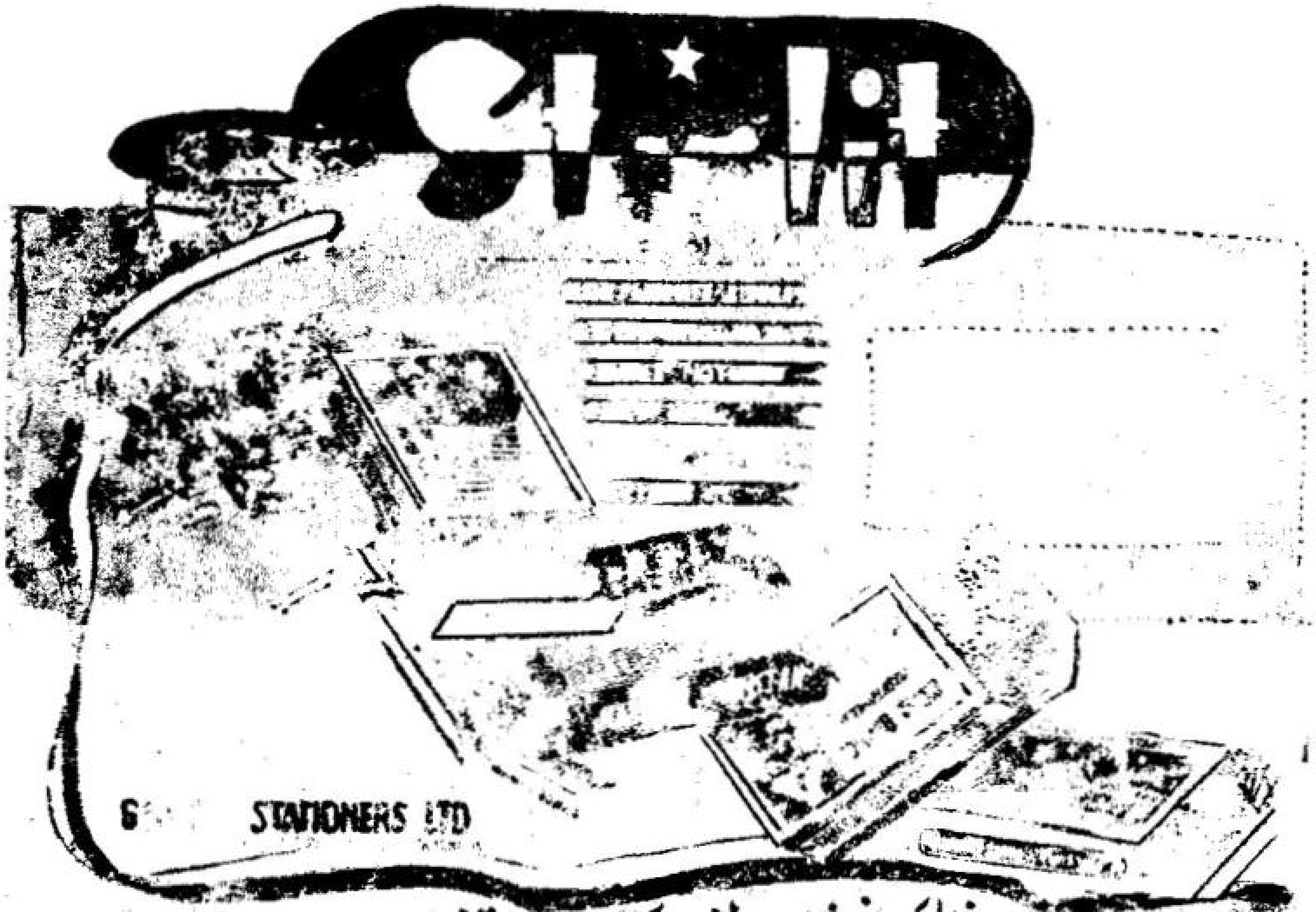

اب غیر ملکی عام اشیائے اسٹیشنری کی ضرورت باقی نہیں رہی ہے

کیونکہ ہم نے مال کے بنانے میں اسی خوشنمائی، پائیداری اور معیار کو ملحوظ رکھا ہے جو انگلینڈ، جرمنی اور امریکہ وغیرہ اپنے پیش نظر رکھتے ہیں۔ قومی ترقی کا انحصار ملک کی مصنوعات کو استعمال کرنے پر ہے۔

جنرل منیجر، جنرل اسٹیشنرز لمیٹڈ (مینوفیکچرز)

قرآنی انقلاب کا صحیح تصوّر

ان کتابوں سے پیدا ہو سکیگا

معراجِ انسانیت — حضور صلعم کی ذات اقدس و اعظم شرف و مجد انسانیت کے کس بلند مقام پر فائز تھی اسے قرآنی آئینہ میں دیکھنے کی پہلی اور کامیاب کوشش۔ مذاہب عالم کی تاریخ اور تہذیبی پس منظر کے ساتھ ساتھ سیرتِ مقدسہ کے متنوع گوشے نکھر کر سامنے آگئے ہیں۔ بڑے سائز کے نو سو صفحات۔ اعلیٰ ولایتی گلیزڈ کاغذ مضبوط و حسین جلد۔ قیمت بیس روپے۔

ابلیس و آدم — سب سے پہلا انسان کس طرح پیدا ہوا تھا۔ جنات۔ ملائکہ۔ وحی۔ شیطان اور ابلیس جیسے اہم مباحث کے لئے سلسلۂ معارف القرآن کی اس پہلی کڑی کا مطالعہ نہایت ضروری ہے۔ بڑی تقطیع کے ۳۷۶ صفحات قیمت آٹھ روپے

جوئے نور — کاروانِ نبوت کے درخشندہ ستاروں یعنی حضرات انبیائے کرام از حضرت نوحؑ تا حضرت شعیبؑ کے تذکار جلیلہ پر تفصیلی کتاب۔ سلسلۂ معارف القرآن کی دوسری کڑی۔ سائز ۲۲×۲۹ /۸ ۳۶۸ صفحات قیمت چھ روپے

انسان نے کیا سوچا؟ — زندگی کے اہم مسائل کے حل کے لئے انسانی فکر نے کیا کیا کوششیں کیں اور اس کا نتیجہ کیا نکلا؟ بیش بہا معلومات کا ذخیرہ۔ سائز ۲۲×۲۹ /۸ ۳۶۸ صفحات۔ قیمت دس روپے

سلیم کے نام خطوط — مذہب کے متعلق نوجوان تعلیم یافتہ طبقہ کے دل میں جو شکوک و شبہات اور اعتراضات پیدا ہوتے ہیں ان کا نہایت شگفتہ اور مدلل جواب بڑے سائز کے ۴۰۸ صفحات قیمت چھ روپے

فردوسِ گم گشتہ — ان مضامین کا مجموعہ جنہوں نے تعلیم یافتہ نوجوانوں کی نگاہ کا زاویہ بدل دیا ہے اور فکر و نظر کی نئی راہیں کھول دی ہیں۔ اردو نثر کی ملند پایہ کتاب۔ بڑے سائز کے ۴۱۶ صفحات قیمت چھ روپے

نظامِ ربوبیت — نوع انسانی کا سب سے اہم اور مشکل سوال اس کا معاشی مسئلہ ہے۔ اس مسئلہ کا حل عقلِ انسانی نے کیا سوچا اور قرآن نے اس کا حل کیا بتایا ہے۔ دورِ حاضر کی عظیم کتاب بڑے سائز کے ۴۰۰ صفحات۔

قیمت قسم اول مجلد چھ روپے۔ قسم دوم غیر مجلد چار روپے

اسبابِ زوالِ امت — (دوسرا ایڈیشن) مسلمانوں کی ہزار سالہ تاریخ میں پہلی مرتبہ بتایا گیا ہے کہ ہماری نکبت و زوال کے اسباب کیا ہیں اور ان کا علاج کیا! ۷۲ صفحات۔ قیمت دو روپے۔

(یہ تمام کتابیں محترم پرویز صاحب کے تدبر فی القرآن کا نتیجہ ہیں)

ملنے کا پتہ: ناظم ادارہ طلوع اسلام ۱۵۹/۳ ۔ ایل پی۔ ای۔ سی۔ ہاؤسنگ سوسائٹی۔ کراچی نمبر ۲۹

باب المراسلات

مولانا تھانویؒ اور فرقہ آغاخانی

کراچی سے ایک صاحب لکھتے ہیں:-

سر آغا خان (مرحوم) کی وفات پر اخبارات میں یہ خبر شائع ہوئی تھی کہ احتشام الحق صاحب تھانوی نے ان کی سوئم کی رسم میں نہ صرف شرکت کی بلکہ اسے ادا کرایا۔

لاہور کے روزنامہ نوائے پاکستان کی ۵ ستمبر ۱۹۵۷ء کی اشاعت میں، ایک تفصیلی مقالہ شائع ہوا ہے جس کا عنوان ہے "کیا آغا خانی گروہ حق پر ہے؟" اس میں کسی صاحب نے ایک واقعہ درج کرنے کے بعد، مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ سے فتویٰ طلب کیا تھا کہ آغا خانی فرقہ کو مسلمان تسلیم کیا جائے یا نہ۔ واقعہ یہ تھا کہ کٹک (اطراف بمبئی) میں ایک آغا خانی تاجر کے ہاں کوئی میت ہوگئی۔ اُس نے اِس میت کو مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کرنا چاہا۔ اس پر مسلمانوں میں کشمکش پیدا ہوگئی۔ ایک فریق کہنے لگا کہ اس میت کو مسلمانوں کے قبرستان میں دفن نہیں کیا جاسکتا۔ کیونکہ آغا خانی دائرہ اسلام سے خارج ہیں۔ دوسرے گروہ نے کہا کہ آغا خانیوں کو دائرۂ اسلام سے خارج سمجھنا غلطی ہے۔ اس پر مولانا تھانویؒ سے فتویٰ طلب کیا گیا کہ

(۱) آغا خانیوں کے کفر و اسلام کے متعلق کیا فیصلہ ہے۔

(۲) جو مولوی صاحب مذکور کی میت کی نماز جنازہ پڑھتے اور اس کو مسلمان کہتے اور کہلواتے ہیں اور اس میں کوشش کرتے ہیں، ان کا کیا حکم ہے۔

اس پر مولانا تھانویؒ نے اس فرقہ کے عقائد کا تجزیہ کرنے کے بعد یہ فتویٰ صادر فرمایا کہ

> نہ ایسے شخص کا دعوئے اسلام کافی ہے۔ نہ اس کا نمازی اور روزہ دار ہونا کافی ہے۔ نہ اس پر نماز جنازہ جائز ہے۔ نہ مقابر مسلمین میں دفن کرنا جائز ہے۔ اور نہ مصلحت کے سبب کافر کو مسلمان کہنا یا اس کے ساتھ مسلمانوں کا سا معاملہ کرنا جائز ہے۔

جناب احتشام الحق صاحب مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کو اپنا پیر و مرشد بناتے ہیں۔ سوال یہ ہے کہ اپنے پیر و مرشد کے اس فتوے کی موجودگی میں، احتشام الحق صاحب، سر آغا خان کی رسم سوئم میں شرکت کے متعلق کیا فرماتے ہیں؟

"ایک تھانوی"

طلوع اسلام فرقہ بندی کے متعلق، قرآن کی روشنی میں طلوع اسلام کا جو مسلک ہے اس سے قارئین اچھی طرح واقف ہیں۔ اس بنا پر ہمیں کسی فرقے کے کفر و اسلام کی نزاع سے دلچسپی نہیں ہو سکتی۔ البتہ احتشام الحق صاحب اگر اس استفسار کا کوئی جواب دینا پسند فرمائیں تو طلوع اسلام اسے شائع کر دے گا۔

خطبات اقبال

حیدرآباد (دکن) سے ایک صاحب دریافت کرتے ہیں کہ کچھ عرصہ ہوا، طلوع اسلام میں یہ چیز سامنے آئی تھی کہ ادارہ کی طرف سے خطبات علامہ اقبال کا اردو ترجمہ شائع ہوگا۔ وہ کس مرحلہ میں ہے۔

طلوع اسلام خطبات اقبال کا اردو ترجمہ شائع کرنے کا پروگرام ادارہ کے پیش نظر ہے۔ لیکن یہ ظاہر ہے کہ ان خطبات کا صرف ترجمہ شائع کر دینا مفید نہیں ہو سکتا۔ یہ خطبات اس قدر مشکل اور ان کا موضوع اس قدر ادق ہے کہ جب تک اس کے ساتھ تشریحی حواشی نہ ہوں، خالی ترجمہ سے بات سمجھ میں نہیں آ سکے گی۔ یہ کام محترم پرویز صاحب ہی کے کرنے کا ہے اور انہیں اس کی اہمیت کا بھی احساس ہے۔ لیکن ان کی مصروفیات کا سلسلہ اس قدر پھیلتا جا رہا ہے کہ کئی اہم امور فرصت کے منتظر ہیں۔ جونہی انہیں وقت ملا وہ اس طرف ضرور توجہ دیں گے۔ وبیدہ التوفیق۔

اسلام میں

قانون سازی

کا اصول

اس میں پاکستان کے علاوہ بعض دیگر ممالک اسلامیہ کے بلند پایہ متفننین کے افکار کی روشنی میں بتایا گیا ہے کہ ایک اسلامی مملکت میں قانون شریعت کا کام کس نہج پر ہونا چاہیے۔

یہ کتاب وقت کی اہم ضرورت کو پورا کرتی ہے۔ قیمت فی جلد مجلد دو روپے آٹھ آنے (علاوہ محصول ڈاک)

ناظم ادارۂ طلوع اسلام۔ کراچی ۲۹

سب کی پسند
مسواک
ٹوتھ پیسٹ
ٹوتھ برش

چند بصیرت افروز کتابیں

جشن نامے

ہم ہر سال جشن جمہوریہ منانے کی تیاریاں کرتے ہیں مگر کیا ہر جشن اسی طرح منایا جائے گا جیسے ہم ہر سال مناتے چلے آ رہے ہیں۔ ہمارے جشنوں کی تبسم فشاں درد انگیز تصویر ۲۵۶ صفحات قیمت دو روپے

مزاج شناس رسولؐ

پیشوایانہ ڈکٹیٹرشپ کی راہیں کس طرح ہموار کی جا رہی ہیں۔ اسے سمجھنے کے لئے اس کتاب کو پڑھیے تاکہ جماعت اسلامی کا صحیح موقف آپ کے سامنے آ جائے۔ قیمت چار روپے۔

قرآنی فیصلے

روزمرہ زندگی کے ساتھ اہم مسائل و معاملات پر قرآن ہمیں کیا راہ نمائی دیتا ہے اور ہم کیا کر رہے ہیں۔ دین کے متعلق پُر از معلومات اور حقیقت کشا کتاب ہے۔ ۴۰۸ صفحات۔ قیمت چار روپے

قرآنی دستور پاکستان

اس میں پاکستان کے لئے قرآنی دستور کا خاکہ دیا گیا ہے اور حکومت، علماء اور جماعت اسلامی کے مجوزہ دستوروں پر تنقید کی گئی ہے۔ ۲۲۴ صفحات۔ قیمت دو روپے

اسلامی نظام

اسلامی مملکت کے بنیادی اصول کیا ہیں؟ اور اسلامی نظام کیسے قائم ہو سکتا ہے۔ اس کے جواب میں جناب پرویز اور علامہ اسلم جیراجپوری کے مقالات کا مجموعہ۔ جنھوں نے فکر و نظر کی نئی راہیں کھول دی ہیں۔ ۱۸۰ صفحات۔ قیمت دو روپے۔

نوادرات (از علامہ اسلم جیراجپوریؒ)

علامہ موصوف کے مضامین کا نادر مجموعہ
بڑا سائز ۴۰۰ صفحات۔ قیمت چار روپے

اسلامی معاشرت (از پرویز)

(تیسرا ایڈیشن زیر طبع) مسلمانوں کی روزمرہ زندگی کے لئے قرآن کے ارشادات۔ بالخصوص عورتوں۔ بچوں اور کم پڑھے لکھے لوگوں کے لئے اس سے بہتر کتاب آپ کو نہیں ملے گی۔ قیمت دو روپے

اقبال و قرآن (از پرویز)

علامہ اقبال کے قرآنی پیغام سے متعلق محترم پرویز صاحب کے انقلاب آفریں مقالات کا مجموعہ۔ ۲۵۶ صفحات۔ قیمت دو روپے

(محصول ڈاک ہر حالت میں بذمہ خریدار ہوگا)

ملنے کا پتہ:۔ ناظم ادارہ طلوع اسلام ۱۵۹/۳۔ ایل (پی۔ ای۔ سی) ہاؤسنگ سوسائٹی) کراچی [۲۹]

پیشگی خریداران

یہ سلسلہ ۱۹۵۳ء میں شروع ہوا تھا۔ گذشتہ چار سال میں اکثر و بیشتر زر پیشگی کے عوض مطبوعات دی جا چکی ہیں اور متعلقہ کھاتوں میں یا تو کچھ باقی ہی نہیں رہا ہے۔ یا آمد سے خرچ زائد ہو چکا ہے۔ زائد خرچ کی ادائیگی کے لئے فرداً فرداً یاددہانی کرائی جا چکی ہے۔

زر پیشگی سے قرآنی فکر کی نشر و اشاعت میں قابل قدر مدد ملی ہے اس لئے اس سلسلہ کا جاری رکھنا بہمہ وجوہ مستحسن ہے۔ توقع ہے کہ جن اصحاب کا زر پیشگی ختم ہو چکا ہے وہ مزید ایک سو روپے یکمشت یا باقساط ارسال [illegible] مفید کام میں حصہ لیتے رہیں گے۔

قرآنی فکر سے دلچسپی رکھنے والے اصحاب جو تاحال پیشگی خریدار نہیں بنے ہیں ان کی توجہ اس مفید سلسلے کی طرف منعطف کرائی جاتی ہے۔ تاکہ وہ اس میں جلد از جلد شامل ہو جائیں۔

پیشگی خریدار بن کر آپ قرآنی فکر کی نشر و اشاعت میں معتدبہ امداد کچھ خرچ کئے بغیر دیتے ہیں۔ کیونکہ اس اسکیم کے معنی یہ ہیں کہ آپ ایک سو روپے کی رقم ادارہ کے پاس جمع کرا دیں ادارہ اپنی مطبوعات جنھیں آپ لینا پسند [illegible] گھر بیٹھے پہنچاتا رہے گا۔ اور محصول ڈاک بھی اپنے پاس سے ادا کرے گا اس طرح آپ کو آپ کے جمع کردہ روپے کی کتب بلا محصول ڈاک مل جائیں گی۔ اس میں ہمارا فائدہ صرف اتنا ہے کہ ہمیں کچھ رقم پیشگی مل جاتی ہے

ناظم ادارہ طلوع اسلام

۴/۱۵۹۔ ایل (پی۔ ای۔ سی ہاؤسنگ سوسائٹی) کراچی ۲۹

چھوٹا مسواک ٹوتھ برش
Hashmi
دانتوں کی صفائی بچوں کو صحت مند اور توانا رکھتی ہے
چھوٹے بچوں کے لئے چھوٹا مسواک
نایاب تحفہ ہے
جو نرم و نازک مسوڑوں کے لئے بے ضرر ہے اور
جس کا استعمال بچوں کیلئے مفید نیا مشغلہ ہے